www.mohaddis.com

313

مدیرِ اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

محدث

اگست ۲۰۰۷ء

۲ سانحہ جامعہ حفصہ؛ ایک لمحہ فکریہ
۲۳ مسلمان لڑکیوں اور والدین کے نام
۱۲ کیا قرآن کی ایک ہی قراءت ہے

مجلس التحقیق الاسلامی
مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
PAKISTAN

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملّت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ
ماہنامہ محدث لاہور پاکستان

جلد ۳۹ / شمارہ ۸
رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
اگست ۲۰۰۷ء

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

مدیر حافظ حسن مدنی
0333-4213525

زرِ سالانہ ۲۰۰/روپے
فی شمارہ ۲۰/روپے

بیرون ممالک
زرِ سالانہ ۲۰/ڈالر
فی شمارہ ۳/ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700

☏: 5866476
5866396
5839404

Email: hhasan@wol.net.pk

Publisher:
Hafiz Abdul Rahman Madani

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

فہرست مضامین

فکر و نظر
سانحۂ لال مسجد؛ ایک لمحہ فکریہ — حافظ حسن مدنی — ۲

کتاب و حکمت
کیا قرآن کی ایک ہی قراءت درست ہے؟ — محمد رفیق چودھری — ۱۲

اصلاحِ نسواں
مسلمان لڑکیوں اور ان کے والدین کے نام — عمر فاروق سعیدی — ۲۳

دفاعِ حدیث
مذہبی پیشوائیت؛ پرویز کا ایک کھوٹا سکہ ④ — ڈاکٹر محمد دین قاسمی — ۳۳

تصویرِ وطن
ملکی حالات، امریکی دھمکی اور مضمرات — حافظ حسن مدنی — ۵۶
سانحہ لال مسجد؛ تین معتبر صحافیوں کی زبانی — حامد میر، شاہد مسعود — ۷۱

Islamic Research Council

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

سانحہ لال مسجد؛ ایک لمحۂ فکریہ

لال مسجد میں ہونے والی ظلم وبربریت پر پوری قوم یک آواز ہے۔ ایسے سنگین واقعات برسوں کیا، صدیوں میں رونما ہوتے ہیں۔ اس سانحہ پر تبصرے تجزیے اور تاثرات لکھنے والوں سے اخبارات ورسائل بھرے پڑے ہیں۔ ہرکوئی اس ملی المیہ کو اپنے انداز سے بیان کررہا ہے۔ جامعہ حفصہ کو دہشت وہلاکت کی یادگار بنانے والوں کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ ان کی یہ سازش لال مسجد کو حیاتِ دوام عطا کردے گی۔ آج ملک بھر میں لال مسجدیں بن رہی ہیں اور جارحیت کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف جذبات پروان چڑھ رہے ہیں۔

ایسے سانحوں کا یہ تو ایک فطری اور عوامی ردعمل ہے جبکہ اہلِ فکر ودانش کا رویہ اس سے قدرے مختلف ہوتا ہے۔ ذمہ دار لوگ تبصروں پر ہی اکتفا کرلینے کی بجائے ان محرکات ووجوہات پر بھی غور کرتے ہیں جن سے ایسے سانحے جنم لیتے ہیں۔ وہ ان احتیاطی تدابیر کو زیربحث لاتے ہیں جن پر عمل کرکے آئندہ اس نوعیت کے المیے دوبارہ رونما نہ ہوسکیں۔ وہ ایسے واقعات میں چھپا درس حاصل کرنے اور ان اَسباب تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں جہاں سے مستقبل کے لئے رہنما خطوط میسر آسکیں۔

ملک بھر میں اس سانحہ کے حوالہ سے جو عام تاثرات پائے جاتے ہیں حتیٰ کہ بعض رہنما اسے سقوطِ ڈھاکہ کے بعد دوسرا سنگین ترین واقعہ بھی قرار دیتے ہیں، اس سے بھی اختلاف نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے جو مقاصد حکومتِ وقت نے حاصل کئے اور جس بے رحمی سے دین دار معصوم لوگوں کو نشانہ بنایا، اس پر بھی شدید تکلیف دہ احساس اُبھرتا ہے، لیکن تبصروں اور تاثرات کی اس عام روش سے ہٹ کر اس موضوع کے بعض سبق آموز پہلوؤں کو نمایاں کرنا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے، چنانچہ ہم دیگر اہل فکر کو بھی دعوت دیتے ہیں کہ اس سانحہ پر لکھے جانے والے دیگر مضامین کے ساتھ ساتھ اس نوعیت کے غور وفکر میں بھی اپنا حصہ ڈالیں۔

www.KitaboSunnat.com

طاقت اور قوت کا استعمال

اس واقعہ سے بحیثیتِ قوم ہمیں جو اہم سبق حاصل ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے مسائل ومعاملات کو اِفراط وتفریط کی بجائے توازن واعتدال سے سمجھا اور جانچا جانا چاہئے۔ کسی بھی مسئلہ کو قوت کی بجائے اِفہام وتفہیم سے ہی حل کیا جاسکتا ہے۔ قوت کے استعمال سے فوری طور پر نتائج تو حاصل ہوجاتے ہیں لیکن ہمیشہ کے لئے نفرتیں اور کدورتیں جنم لیتی ہیں۔

اس سانحہ میں یہ واضح سبق پوشیدہ ہے کہ جب تک غازی برادران بزور اپنے مطالبات منوانے کے دعووں پر جمے رہے اور اُنہوں نے اپنے مسائل کا حل چلڈرن لائبریری پر قبضے کے ساتھ معاشرے سے فحاشی کے جبری خاتمہ کو قرار دیا تو ملک کا دینی طبقہ اپنی تمام تر دلی ہمدردیوں اور مسائل کی تشخیص میں ان سے اتفاق اور ان کے مطالبات سے کلی اظہارِ یکجہتی کے باوجود ان کی حمایت پر مجتمع نہ ہوسکا۔ ۷، ۸ جولائی تک کی خبروں کو تازہ کیجئے جب لال مسجد کے غمگسار ودلی ہمدرد بھی قوت کے استعمال پر مبنی ان کے طریقہ کار کی مخالفت پر یک آواز تھے۔ ملک کے تمام دینی حلقے ان کے مطالبات کو جائز اور برحق قرار تو دیتے لیکن ان کے طریقہ کار کی مخالفت کرتے حتیٰ کہ اسی بنا پر وفاق المدارس العربیہ اور ان کے سرپرستوں نے بھی ان سے اظہارِ ناراضگی کرتے ہوئے قطع تعلقی اختیار کی۔

دوسری طرف ہمیں حکومت کے رویے سے بھی یہی سبق ملتا ہے۔ وہ پوری پاکستانی قوم جو لال مسجد والوں کے طریقہ کار کی مخالفت میں یک زبان تھی، جونہی حکومت نے جولائی کے پہلے عشرہ میں اِفہام وتفہیم کی بجائے جارحیت کا راستہ اختیار کیا تو قوت کے اس بے جا استعمال نے حکومت کو عوام کی حمایت سے کلی محروم کردیا۔ ۱۰ جولائی کے یومِ سیاہ سے لے کر آج تک قوم کے غم وغصہ میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ وہ لوگ جو اس ملک میں مدارس ومساجد کے بڑے نظریاتی مخالفوں میں شمار ہوتے ہیں، اُنہوں نے بھی اس موقع پر حکومت کے رویہ کی مذمت کی ہے۔ اس واقعہ کے اہم حکومتی کردار اگر عوام کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرسکے تو گھروں میں جاکر اُنہوں نے ضمیر کے بوجھ تلے ندامت کے آنسو ضرور بہائے ہیں۔ پوری قوم اس ظلم پر سراپا احتجاج ہے۔ اس احتجاج کی وجہ قوت کا وہ بدترین استعمال ہے جو اپنے ہی

www.KitaboSunnat.com

ملک کے باشندوں سے روا رکھا گیا۔الغرض اس المیہ سے بحیثیتِ قوم ہمیں یہ واضح سبق ملتا ہے کہ اپنے مسائل کو اِفہام وتفہیم اورتوازن واعتدال کی بجائے قوت سے حل کرنا غلطی، نادانی اورقوم کی حمایت سے محرومی کا سبب ہے.....!!

آج پاکستان میں جامعہ حفصہ کے حوالے سے یہ بات گویا نقارۂ خلق بن چکی ہے کہ لال مسجد والوں سے طریقِ کار کی اگر لغزش ہوئی ہے تو حکومت نے اس سے کہیں بڑھ کر شدید غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔مولانا عبدالرشید غازی شہید نے اپنے آخری انٹرویو میں کہا تھا کہ ''ہم نے غلطی کی ہے لیکن ہمیں اس کی سزا اس سے کہیں زیادہ دی جارہی ہے۔ہماری غلطی اتنی بڑی تو نہ تھی۔'' حکومتِ وقت نے اس لغزش کو جواز بنا کر اس موقع پر نہ صرف بین الاقوامی بلکہ ملکی، سیاسی، عوامی اورنظریاتی مفادات سمیٹنے کے لئے استحصالی رویہ کا مظاہرہ کیا۔

مناسب اَہداف کی طرف درست پیش قدمی

دینی جماعتیں اور ادارے عوام الناس کی اصلاح کے لئے اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ عوام بھی ان کی اس خدمت کی قدر کرتے ہوئے نہ صرف اپنے جگرگوشوں کو ان کے حوالے کرنے کے بعد مطمئن ہوجاتے ہیں بلکہ حسبِ استطاعت ان اداروں کے مالی تعاون سے بھی گریز نہیں کرتے۔ان دینی اداروں اور تحریکوں کو اپنی منزل کا تعین کرتے ہوئے اعلیٰ ہدف کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے لیکن زمینی حقائق کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔معاشرے کے مصلح افراد کی اپنے معاشرے کے رجحانات اور حالات پر گہری نظر ہونی چاہئے۔اہداف کے تعین اوراس کے لئے عملی طریقہ کار میں جہاں ایک معقولیت اورمعروضیت ہونی ضروری ہے، وہاں اپنی صلاحیت اورقوتِ کار کا بھی پورا علم ہونا چاہئے۔

بعض ادارے ایسے اَہداف کے لئے اپنی صلاحیتیں کھپانا شروع کردیتے ہیں جن کو پانے کے لئے اُنہیں خارجی ذرائع کی مدد لینا ناگزیر ہوجاتا ہے یا ایجنسیاں تعاون کے نام پر خود اُنہیں اپنے اَہداف کے لیے استعمال کرنا شروع کردتی ہیں۔اس لحاظ سے کسی بھی تحریک وتنظیم کے قائد اورمرکزی اَفراد پر اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے زیر اثر افراد کی صلاحیتوں کو صحیح رخ دیتے ہیں یا ان کے دینی رجحانات کو جذباتی رنگ دے کر آخر کار ان کو ایسے میدان

www.KitaboSunnat.com

میں جھونک دیتے ہیں جہاں سے نتائج کا حصول مزید دور ہوجاتا ہے۔☆

اسلامی تحریکوں کے پاس قوم کا اعتماد ایک بہت بڑی امانت ہے۔ آج بھی لوگوں میں اُنہیں غیر معمولی قدر ومنزلت سے دیکھا جاتا اور قوم کے محسن سمجھا جاتا ہے۔ ان اداروں کو اپنے مقاصد کے تعین میں کسی ردِعمل کا بھی شکار نہیں ہونا چاہئے جہاں وہ غصہ نکالنے یا نیچا دکھانے کی منفی نفسیات سے مغلوب ہوجائیں۔ ہر دم اپنی قوتِ کار کا صحیح ادراک رکھتے ہوئے اپنی طے کردہ منزل کی طرف ہی قدم اُٹھنے چاہئیں۔

بعض اوقات اسلامی تحریکیں خود تو کسی مغالطے یا ردِّعمل کا شکار نہیں ہوتیں لیکن ان کے ساتھ شریک ہونے والے ان کی صلاحیت کو دوسری سمت موڑ دینے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ اداروں اور تنظیموں کے ذمہ داران کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ وہ اپنے ساتھ شامل ہونے والے افراد پر بھی کڑی نظر رکھیں، ان کی سرگرمیوں کا جائزہ رکھتے ہوئے ایک طے شدہ مثبت سمت میں ہی ان کو آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کریں۔

پاکستان کے عوام دین سے گہری وابستگی رکھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پاکستان دینی تحریکوں کا ایک بڑا مرکز ہے۔ بعض دینی تحریکیں ان حالات میں مرحلہ وار جدوجہد کی بجائے ایسا راستہ اختیار کرنے کی طرف مائل ہوجاتی ہیں جہاں وہ کسی خارجی مدد سے جلد اپنی منزل کو حاصل کرلیں۔ اس مقصد کے لئے بعض تنظیموں کے ہاں سرکاری شخصیات سے راہ ورسم

☆ بعض لوگ غزوۂ بدر میں ۳۱۳ مسلمانوں سے کفار کے عظیم لشکر کا مقابلہ کرنے کی مثال دیتے ہیں تو یہ درست نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ سے ہمیں اس کے برعکس رہنمائی ملتی ہے۔ دعوت کے میدان میں آپ کی حکمتِ عملی بھی وہی ہے جس کا تذکرہ اوپر ہوچکا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے جانثاروں کے ساتھ اس بیت اللہ میں ہی ۱۳ سال نماز پڑھتے رہے جہاں ۳۶۰ بت موجود تھے۔ آپ کے جانثار صحابہؓ میں سے کوئی بھی کسی رات جاکر ان بتوں کو اللہ کے گھر سے ہٹانے کی بھرپور صلاحیت رکھتا تھا لیکن قوت کے ایسے استعمال کی نبی کریم ﷺ نے کبھی تلقین نہ کی بلکہ اس کے لئے مناسب وقت کا انتظار کیا۔

جہاں تک غزوۂ بدر وغیرہ کا تعلق ہے تو یہ بات سیرتِ نبویؐ کے ہر طالبعلم کو بخوبی معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ کے یہ غزوات اِقدامی کاروائی نہیں بلکہ غیروں کی مسلط کی ہوئی جنگ تھی۔ اور غیروں کی مسلط کی ہوئی لڑائی میں اور خود اختیار کردہ حالات میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ دین میں گہری بصیرت رکھنے والے لوگ اسلام کے اس رجحان سے بخوبی آگاہ ہیں!

www.KitaboSunnat.com

بڑھائے جاتے ہیں تو کچھ تنظیمیں بااثر شخصیات کی اپنے ساتھ شمولیت کو غیر معمولی اہمیت دیتی ہیں۔ مقصد کی طرف پیش رفت کے لئے معاون ذرائع حاصل کرنا اور افراد کو ساتھ جوڑنا قطعاً غلط نہیں ہے، لیکن ایسے لوگوں کی شرکت جہاں کسی تنظیم کے لئے بظاہر اعزاز کا باعث ہوتی ہے وہاں آہستہ آہستہ ایسے لوگ اپنے اثرات کے ذریعے تنظیم کا رخ بدل کر اُسے اپنے مقاصد کی طرف لے جانے میں بھی کامیاب ہوجاتے ہیں۔

بعض اوقات اہم اداروں کے ہاں ایسے لوگ بھی راہ ورسم بنالیتے ہیں جن کے پیش نظر تنظیم کی بجائے اپنے مقاصد کا حصول ہوتا ہے۔ ایسی صورتحال کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بڑے خلوص ومحنت اور لگن وجدوجہد سے کامیابی کی سمت بڑھنے والا ادارہ اپنے اصل اہداف سے ہٹ کر اپنی منزل تبدیل کربیٹھتا ہے۔ بعض اوقات ایسے اہم لوگوں کی آمد ورفت سے ایسے دینی ادارے اپنے آپ کو محفوظ ومامون تصور کرنے لگتے ہیں اور یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کسی آڑے وقت میں ان لوگوں کا تعاون ہمیں پورا کام دے گا۔ یہ سب چیزیں نہ تو اصلاً غلط ہیں اور نہ ہی ناجائز؛ البتہ ایسے تعلقات کو اپنے جائز مقاصد کے لئے بروئے کار لانا اور ان سے اپنے اصل دینی ہدف کو تقویت دینا اور کسی مغالطے کا شکار نہ ہونا پل صراط پر چلنے کے مترادف ہے۔ اہم شخصیات سے میل جول کے بعد ان کی رائے کو نظر انداز کرنا بھی ایک کارِ مشکل ہے!

جامعہ حفصہ کے سلسلے میں ایسی ہی بعض مثالیں سامنے آتی ہیں۔ جامعہ حفصہ اور لال مسجد پاکستان کے اہم ترین علاقے میں ایک عظیم دینی مرکز ہے جس کی دین کے لئے عظیم الشان خدمات رہی ہیں۔ اس ادارہ میں اہم شخصیات کی آمد ورفت بھی مسلمہ حقیقت ہے۔ دینی حلقوں میں جامعہ حفصہ کے بارے میں یہ تاثر عام ہے کہ اس جامعہ کے ذمہ داروں نے دوستوں کو پہچاننے میں غلطی کی ہے۔ اپنے اہداف کو مساجد کی تعمیر کے جائز مطالبے سے بڑھا کر نفاذِ شریعت تک وسعت دینے، قانون کو ہاتھ میں لیتے ہوئے فحاشی کے مراکز کے جبری خاتمے کی کوشش اور اس کے ذمہ داروں کو پکڑ کر لانا وغیرہ انہی 'مہربان' دوستوں کی سفارشات کا نتیجہ ہے جنہوں نے ان کو غیر معمولی قوت وصلاحیت کو مغالطے میں مبتلا کرکے اُنہیں اپنے ٹریک پر چلانے کی کوشش کی۔ مولانا عبدالعزیز کا برقعے میں گرفتار ہونا انہی 'مہربانوں' کی ہدایات پر

www.KitaboSunnat.com

چلنے کا نتیجہ ہے جنہوں نے آڑے وقت میں اُنہیں بدترین دھوکہ دیا.....!!

غازی برادران دین کے مخلص خادم ہیں، ان کی عظیم الشان خدمات ان کے اسلام سے والہانہ تعلق کا ثبوت ہیں لیکن آج اُمتِ مسلمہ اس عظیم دینی مرکز سے محروم ہے، اپنے عظیم فرزندوں اور بیٹیوں کی شہادت کا زخم لئے ہوئے ہے تو اس میں اس امر کا بھی بڑا عمل دخل ہے کہ اُنہوں نے اپنے اَہداف کو متعین کرنے، دوستوں کو پہچاننے اور اپنی طاقت کا درست تجزیہ کرنے میں لغزش کھائی ہے۔

اس سانحہ میں یہ سبق موجود ہے کہ آج بھی کچھ متشدد تنظیمیں جو حقیقی جدوجہد اور تدریجی مراحل کی بجائے دیگر عوامل پر غیر معمولی اعتماد اور انحصار کئے بیٹھی ہیں، اُنہیں اپنے حقیقی اور جائز اَہداف کا معروضی طور پر جائزہ لینا چاہئے۔ اپنی صفوں سے دوست کے روپ میں موجود دشمنوں کو پہچاننا اور ہرصورت اُنہیں الگ کرنا چاہئے، وگرنہ وہ لوگ اُنہیں ایسے مرحلے پر پہنچا کر چھوڑیں گے، جہاں سے واپسی کا راستہ بند اور صرف ہلاکت و بربادی کا راستہ کھلا ہوگا، جس سے زخموں سے چور چور اُمت کے لئے مزید المیے جنم لیتے رہیں گے۔

آج بھی وطن عزیز میں ایسی عسکری تنظیمیں کام کررہی ہیں جنہوں نے اپنے کارکنوں کو عالمی قوتوں کو ذلیل ورسوا کرنے کا غیر حقیقی نعرہ دے رکھا ہے، لیکن خود وہ ایسی حکومتی ایجنسیوں کے رحم وکرم پر ہیں جو صرف استعمال کرنے اور وقت آجانے پر اُنہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے مشن پر مامور ہیں۔ بالفرض اگر ایسے کسی مقابلے میں کوئی عسکری تنظیم کامیاب ہو بھی جائے تو چونکہ اس کی قوت اس کی اپنی نہیں بلکہ مستعار لی ہوئی ہوتی ہے، اس لئے اس کے نتائج تنظیم کو ملنے کی بجائے وہی لوگ اس کے ثمرات سمیٹ لے جاتے ہیں، جن کی مصنوعی قوت سے کوئی مقصد پایۂ تکمیل تک پہنچتا ہے۔ اس سلسلے میں معرکہ کارگل کی مثال دی جاسکتی ہے جس میں بعض عسکری تنظیموں کو بھرپور شمولیت کا دعویٰ ہے لیکن ایسی عسکری تنظیمیں اپنے فرزندوں کے خون کا نذرانہ تو پیش کرتی ہیں، لیکن ظاہری کامیابی کی صورت میں اس کے نتائج میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ کشمیر کے لئے یہ عسکری تنظیمیں قوم کا جوان خون پیش کرتی ہیں، لیکن بالفرض کشمیر کا تصفیہ ہوجانے پر وہ اسلام جس کے نام پر یہ سب قربانیاں پیش کی گئیں، اس کو

www.KitaboSunnat.com

کچھ حاصل ہونے کی بجائے وہاں ایک لادین سیاسی نظام کا اقتدار ہی برقرار رہتا نظر آتا ہے۔

ایک طرف پاکستان کے اہم دینی اداروں اور تنظیموں میں مذکورہ بالا صورتحال کے شواہد کی طرف ہر شخص کی نظر جارہی ہے، اور جامعہ حفصہ کے بارے میں ہر غور وفکر کرنے والا یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ المیہ ایجنسیوں کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے تو دوسری طرف عین انہی دنوں ۲۶ جولائی کو مقبوضہ کشمیر کے بھابھا ایٹمی سینٹر میں دہشت گردی کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ اور ۳۱ جولائی کے اخبارات کے مطابق ایک عسکری تنظیم نے اس کی ذمہ داری قبول کرلی ہے۔

موجودہ حالات میں اس عقل ودانش کا ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جسے ان حالات میں یہ کارنامہ اپنے کھاتے میں ڈالنے کی تو فکر ہے لیکن اس کے نتائج وعواقب سے وہ دانش بالکل بے پرواہ ہے۔ اگر خبر اور ذمہ داری دونوں کو درست سمجھ لیا جائے تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ایک طرف مجاہدین نے ایٹمی سنٹر میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تو دوسری طرف پاکستان میں اس عسکری تنظیم کے مراکز کو بھی اسی المیہ اور سانحہ کی طرف تدریجاً بڑھایا جارہا ہے جس کا مشاہدہ اسلام آباد کی لال مسجد میں قوم کرچکی ہے۔ جنرل مشرف ہر قیمت پر سپر طاقتوں کی تائید حاصل کرنا چاہتے ہیں، چاہے اس کے لئے اُنہیں ملک، قوم، دین اور انسانی جانوں کو قربان کرنا پڑے۔ ان حالات میں اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟

اور اگر یہ دونوں باتیں حقائق پر مبنی نہیں بلکہ غیروں کی اُڑائی ہوئی افواہیں ہیں تو پھر ہماری دینی عسکری تحریکوں کو اپنے اوپر منڈلاتے بادلوں کو بھانپ لینا چاہئے اور اپنی حقیقی قوت پر ہی انحصار کرنا چاہئے، ایجنسیاں پرائیویٹ اداروں سے کہیں زیادہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے طاقتور اور سفاک ہیں۔ جامعہ حفصہ کے سانحے میں یہ سبق پوشیدہ ہے کہ دینی اداروں اور تحریکوں کو اپنے اصل کام یعنی دعوت واصلاح پر توجہ مرتکز رکھنی چاہئے اور دھوکے مغالطے میں ڈالنے والے عناصر سے محتاط رہنا چاہئے۔

دینی ادارے امن وسلامتی کے پیامبر ہیں!

ملک دہشت گردی اور بدامنی کی بدترین کیفیت سے دوچار ہے۔ دوسری طرف پاکستانی عوام، بالخصوص دین دار مسلمان حکومت کے خلاف شدید غم وغصہ کا شکار ہیں۔ ان حالات میں

www.KitaboSunnat.com

ملک کو مزید ابتری سے دوچار کرنے کے لئے غیر ملکی ہاتھ بھی پاکستان میں سرگرم ہوگیا ہے اور اس نے اپنے مفادات کے پیش نظر مختلف نوعیت کی ہلاکت خیزیوں اور بم دھماکوں کا ایک سلسلہ شروع کردیا ہے۔ ان بم دھماکوں کا مجرم دینی طلبہ کو قرار دے کر جہاں عوام کو دینی طبقہ سے مزید متنفر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، وہاں حکومت بھی اُنہیں خودکش بم دھماکے قرار دے کر گویا اپنے آپ کو بری قرار باور کرا رہی ہے۔ اس سے ملک میں نظریاتی کشمکش کو بھی مزید ہوا مل رہی ہے۔ ان حالات میں ایسے دینی اداروں کو دانشمندی اور عقل وہوش کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اس مرحلہ پر اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ایسے اقدامات کئے جائیں کہ غیر ملکی مداخلت کار ان اداروں اور نوجوانوں کو اپنی پرفریب چال کا اس طرح شکار بنانے میں کامیاب نہ ہوجائے کہ اُنہیں اپنا آلہ کار بنا کر اپنے ہی ملک اور اپنے ہی ہم مذہبوں کے خلاف استعمال کرنا شروع کردیں۔

اسلام کی تعلیمات اس سلسلے میں بالکل واضح ہیں اور اسلامی ادارے ماضی کی طرح پرامن جدوجہد پر ہی یقین رکھتے ہیں۔ خارجی عناصر و وجوہات کی بنا پر مدارس ومساجد جیسے امن کے گہواروں کی دیرینہ روایت کسی طور متاثر نہیں ہونی چاہئے۔ لال مسجد سے قبل ذمہ دارانِ مدارس کا معاشرے کے ہر طبقہ کو یہ چیلنج ہوتا تھا کہ کسی مدرسہ میں اگر کوئی پرتشدد کاروائی اور اسلحہ ہے تو اس کی نشاندہی کی جائے اور اس الزام میں آج تک اسلام مخالف عناصر کامیاب نہیں ہوسکے۔ مدارس کی یہ روایت آج بھی برقرار ہے اور اسلام کے علم بردار آج بھی اپنے پیش روؤں کی طرح پرامن رہ کر ہی اپنی جدوجہد اور فرض کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے رہیں گے۔

یاد رہے کہ کسی کی غلطی اور کوتاہی کا بوجھ دوسرے پر کسی طور عائد نہیں ہوتا۔ بالفرض قانون نافذ کرنے والے اداروں نے بعض معاملات میں قوتِ مقتدرہ کا حکم مان کر اپنے مسلمان بھائی بہنوں پر گولیاں چلائی ہیں تو اس سے دیگر فوجیوں یا سپاہیوں پر جارحیت کسی طور جائز نہیں ہوگئی۔ اسلام تو سب سے پہلے ہمیں اپنے وجود پر اسلامی احکامات نافذ کرنے کی تلقین کرتا ہے پھر ہمیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا درس دیتا ہے، لیکن یاد رہے کہ یہ درس دو باتوں سے مشروط ہے:

① نہی عن المنکر اس صورت میں مشروع ہے جہاں برائی فروغ پا رہی ہو، اس کو ختم کرنے کی

www.KitaboSunnat.com

تدریجی کوشش کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ البتہ برائی کے وقوع کے بعد اس کی سزا دینا ہیئتِ مقتدرہ کا کام ہے۔ قانون کو ہاتھ میں لینے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ چنانچہ اگر کسی جگہ بدکاری یا چوری کا ارتکاب ہورہا ہو تو اس سے اُس وقت مرتکبین کو روکنے کی ہر ممکنہ کوشش کرنا نہی عن المنکر کا تقاضا ہے، لیکن وقوع کے بعد زانی یا چور کو اغوا یا قید کرکے سزا دینا گویا قانون کو ہاتھ میں لینا ہے جس کی کسی عام آدمی کو اجازت نہیں ہے۔

② نہی عن المنکر میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ وہ روکنے والے کی استطاعت میں ہو، اگر روکنے کا نتیجہ اس سے بڑے منکر کی شکل میں برآمد ہوتا ہے تو ایسی شکل میں نہی عن المنکر کے دیگر مراحل مثلاً زبان سے کہہ دینا یا دل سے برا جاننے وغیرہ پر عمل کرنا چاہئے۔ اس موضوع پر ائمہ اَسلاف کا موقف اور تفصیلی بحث 'محدث' کے شمارۂ مئی میں گزر چکی ہے۔

دینی اداروں اور تحریکوں کو اسلامی تعلیمات اور موجودہ حالات وواقعات سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے اسی طریقہ کار کو اپنانا چاہئے جس کی نشاندہی اسلام نے کی ہے۔ اسلام ہی ہمارا سرمایۂ حیات ہے اور ہر وہ عمل جو اس کی حدود سے متجاوز ہو، اس سے ہر صورت ہمیں بچنا چاہئے۔ اس وقت شدید ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم دانشور اُن مناسب طریقوں کی نشاندہی کریں جن کے ذریعے دینی مشن کو باحسن طریق ادا کیا جاسکتا ہے۔

ہم پر ان حالات میں دینی لحاظ سے کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے، مساجد ومدارس کے طلبہ کن رہنما خطوط کو اپنے سامنے رکھ کر اپنے کام کو مثبت بنیادوں پر توسیع دے سکتے ہیں، یہ رہنمائی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ماضی میں اس حوالے سے ۳۱ معتمد علما کے ۲۲ نکات، دستوری جدوجہد، قانون کی اسلامائزیشن کے مراحل، ذرائع ابلاغ پر اپنے موقف کو احسن انداز میں پہنچانا، پاکستانی عوام کو خطباتِ جمعہ اور دیگر تقاریر کے ذریعے دینی تصورات اور تقاضوں سے اچھے انداز میں آگاہ کرنا، تبلیغ ودعوت کے تمام ذرائع اختیار کرنا، رجوع الی القرآن والسنہ کی تحریک اور قرآن وسنت کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ عام کرنا وغیرہ وہ اسالیب ہیں جن پر علمائے کرام عرصۂ دراز سے کاربند چلے آرہے ہیں، ان سے اگر مکمل نتائج حاصل نہیں بھی ہوئے تو بہرحال معاشرے میں دینی روایات واقدار کو ایک عظیم تحفظ ضرور حاصل ہوا ہے جس کی واضح شہادت پاکستانی معاشرے کی اُن دیگر مسلم معاشروں سے واضح فرق میں

www.KitaboSunnat.com

ملاحظہ کی جاسکتی ہے جہاں دینی روایات واَقدار مسخ ہوکر مٹ چکی ہیں اور لادینیت واباحیت کے اثرات روز افزوں ہیں۔

کیا نفاذِ شریعت بزور بازو ہوسکتا ہے؟

سانحہ لال مسجد سے ایک بار پھر یہ بات کھل کر سامنے آئی ہے کہ نفاذِ شریعت کا عمل مسلح جدوجہد یا قوت کے استعمال کے ذریعے کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوسکتا۔ ماضی میں تحریکِ نفاذِ شریعتِ محمدیؐ وغیرہ اسی نوعیت کی کوششیں تھیں، اور حال میں بھی بعض جماعتیں قوت کے ذریعے انقلاب کی بات کرتی ہیں۔ لیکن جدید دور کی ریاست اس حد تک طاقتور ہوچکی ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اس کا دائرۂ اثر اس حد تک وسیع ہو چکا ہے کہ قوت سے انقلاب لانا ایک ناقابل عمل طریقہ بنتا جارہا ہے۔ اس طریقہ کا مذہبی طبقہ کو سراسر نقصان ہے۔

یوں بھی اگر وقتی طور پر کسی واقعاتی تائید یا مصنوعی مدد سے یہ مرحلہ مکمل بھی ہوجائے تو اس کے فوائد سمیٹنا یا اس کو برقرار رکھنا ممکن نہیں رہتا۔ اس واقعہ سے سماج میں کام کرنے والی ہر تنظیم کو سبق سیکھنا چاہئے۔

یہ وقت جہاں سانحۂ لال مسجد کے حوالے سے اپنے رنج وغم سے قوم کو آگاہ کرنے کا ہے، ہونے والے ظلم کی مذمت کرنے کا ہے، وہاں اس سانحہ کے بعد اس بحث کو بھی شروع ہونا چاہئے کہ دینی جماعتیں اور ادارے کن رہنما خطوط پر اپنے کام کو مثبت انداز میں آگے بڑھا کر اسلامی اہداف و مقاصد حاصل کرسکتے ہیں۔ یہ وقت ماضی میں استعمال کئے جانے والے طریقوں کے جائزے، حال کے تجزیے اور مستقبل کے لئے پیش بندی اور منصوبہ بندی کا ہے۔ نادان لوگ ظلم وستم پر رودھو کر چپ ہوجاتے ہیں لیکن ذمہ دار لوگ ہر واقعہ سے سبق حاصل کرتے اور اپنے اَہداف کو مزید نکھارتے چلے جاتے ہیں۔

محدث کے صفحات اس حوالے سے حاضر ہیں کہ دینی جماعتوں، اداروں، شخصیات اور اَفراد کو مستقبل کا کیا لائحہ عمل اور مقاصد کے حصول کی کیا حکمتِ عملی اختیار کرنا چاہئے؟

اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لئے ہماری خدمات کو قبول فرمائے، اس سانحے میں جامِ شہادت نوش کرنے والے اُن فرزندان اور دخترانِ اسلام کی قربانی کو قبول فرمائے جنہوں نے نیک

www.KitaboSunnat.com

بسلسلۂ غامدیت

محمد رفیق چودھری

کیا قرآن کی صرف ایک ہی قراءت صحیح ہے؟

غامدی صاحب نے اُمت کے جن متفقہ، مُسلّمہ اور اجماعی اُمور کا انکار کیا ہے، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ قرآنِ مجید کی (سبعہ وعشرہ) قراءاتِ متواترہ کو نہیں مانتے۔ اُن کے نزدیک قرآن کی صرف ایک ہی قراءت صحیح ہے جو اُن کے بقول 'قراءتِ عامہ' ہے اور جسے علما نے غلطی سے 'قراءتِ حفص' کا نام دے رکھا ہے۔ اس ایک قراءت کے سوا باقی سب قراءتوں کو غامدی صاحب عجم کا فتنہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ پوری قطعیت کے ساتھ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ قرآن کا متن اس ایک قراءت کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب 'میزان' میں لکھتے ہیں کہ

''یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قراءت ہے جو ہمارے مصاحف میں ثبت ہے۔ اس کے علاوہ اس کی جو قراءتیں تفسیروں میں لکھی ہوئی ہیں یا مدرسوں میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں، یا بعض علاقوں میں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں، وہ سب اسی فتنۂ عجم کی باقیات ہیں جن کے اثرات سے ہمارے علوم کا کوئی شعبہ، افسوس ہے کہ محفوظ نہ رہ سکا۔''

(میزان: صفحہ ۳۲، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء)

وہ مزید لکھتے ہیں کہ

''قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر دنیا میں اُمتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قراءت کے مطابق کی جاتی ہے، اس کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے اور نہ اُسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے۔'' (میزان: صفحہ ۲۵، ۲۶، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء)

پھر آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ

''قرآن کا متن اس (ایک قراءت) کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔''

(میزان: ص ۲۹، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء)

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ اقتباسات کے مطابق غامدی صاحب کا موقف یہ ہے کہ

① قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے۔

② باقی تمام قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔

③ اُمتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت جس قراءت کے مطابق قرآن کی تلاوت کر رہی ہے، صرف وہی قرآن ہے۔

④ قرآن کا متن ایک قراءت (روایتِ حفص) کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔

اب ہم ان نکات پر بحث کرتے ہوئے غامدی صاحب کے موقف کا جائزہ لیں گے:

❶ کیا قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے؟

غامدی صاحب کا کہنا کہ قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے، صحیح نہیں ہے کیونکہ اُمتِ مسلمہ قرآنِ مجید کی سبعہ وعشرہ قراءات کو مانتی ہے جس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

① یہ قراءتیں صحابہ وتابعین سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں اور رسم عثمانی کی حدود کے اندر ہیں اور اس کے مطابق ہیں اور یہ اجماعِ اُمت سے ثابت ہیں۔

② علوم القرآن کے موضوع پر لکھی جانے والی تمام اہم کتب میں یہ قراءات بیان کی گئی ہیں جیسے امام بدر الدین زرکشی نے البرهان في علوم القرآن میں اور امام سیوطیؒ نے الإتقان میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو درست مانا ہے۔

③ تمام قدیم وجدید اہم تفاسیر میں ان قراءات کو تسلیم کیا گیا ہے۔

④ عالم اسلام کی تمام بڑی دینی جامعات مثلاً جامعہ ازہر اور جامعہ مدینہ منورہ وغیرہ کے نصاب میں یہ قراءات شامل ہیں☆

⑤ اُمت کے تمام مسلمہ مکاتبِ فکر کے دینی مدارس میں یہ قراءات پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔

☆ ادارۂ محدث کے تعلیمی ادارے جامعہ لاہور الاسلامیہ میں درسِ نظامی کے ۸ سالہ عرصہ میں ان قراءات کی بھی مکمل اور اعلیٰ ترین تعلیم دی جاتی ہے۔ ۱۹۹۱ء میں جامعہ ہذا کے ذریعے دینی مدارس میں ایک روایت ساز منصوبے کی طرح ڈالی گئی جس کے بعد درجن بھر مدارس نہ صرف اسی نصابی روایت پر عمل پیرا ہو چکے ہیں بلکہ وفاق المدارس کی طرف سے اس نصاب کو منظور کر کے اس کے تحت امتحانات بھی دیے جاتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

⑥ عرب وعجم کے تمام معروف قراء حضرات کی مختلف 'قراءات' میں تلاوتیں آڈیو اور ویڈیو کی صورت میں موجود ہیں۔

⑦ عالم اسلام کے درجن بھر ممالک (جن میں مراکش، الجزائر، تیونس، لیبیا اور موریطانیہ وغیرہ شامل ہیں) میں روایتِ حفص کی بجائے روایتِ ورش (امام ورش جو امام نافع بن عبدالرحمٰن کے شاگرد تھے) رائج ہے اور وہ اسی روایتِ ورش کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور اسے قرآن سمجھتے ہیں۔ کیا کروڑوں کی تعداد میں یہ مسلمان 'غیر قرآن' کو قرآن سمجھ بیٹھے ہیں؟ کیا غیر قرآن کو قرآن سمجھ لینے کے بعد وہ مسلمان باقی رہے ہیں یا نعوذ باللہ کافر ہو چکے ہیں؟ کیا اُمتِ مسلمہ کے پاس قرآن محفوظ نہیں؟ جبکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر:۹)

''بے شک ہم نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

پھر جب خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری لے رکھی ہے تو ایک ایسی چیز جو قرآن نہیں وہ اُمتِ مسلمہ میں بطورِ قرآن کیسے متعارف، مروّج اور متداول ہے؟

⑧ جس طرح ہمارے ہاں روایتِ حفص کے مطابق مصاحف لکھے اور تلاوت کیے جاتے ہیں، اسی طرح شمالی افریقہ اور بعض دوسرے ممالک میں روایتِ ورش وغیرہ کے مطابق مصاحف لکھے اور تلاوت کیے جاتے ہیں اور وہاں کی حکومتیں بھی سرکاری اہتمام میں روایتِ ورش کے مطابق مصاحف شائع کرتی ہیں۔ حال ہی میں سعودی عرب کے مجمع الملک فہد (مدینہ منورہ) نے بھی لاکھوں کی تعداد میں روایتِ ورش، روایت دُوری اور روایتِ قالون کے مطابق مصاحف متعلقہ مسلم ممالک کے لیے طبع کر دیے ہیں☆۔

⑨ اُمتِ مسلمہ کا قولی اور عملی تواتر ہی قراءاتِ متواترہ کے صحیح ہونے کا بین ثبوت ہے۔

⑩ صحیح احادیث◉ سے بھی ہمیں قرآنِ مجید کی ایک سے زیادہ قراءتوں کا ثبوت مل جاتا ہے:

☆ سعودی حکومت کے شائع کردہ یہ مصاحف ادارۂ محدث کی لائبریری میں موجود ہیں جنہیں حرمین شریفین میں آمد کے موقع پر ان ممالک کے حجاج اور زائرین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

◉ سبعہ احرف کو ثابت کرنے والی تمام احادیث کی تخریج پر ایک مستقل تفصیلی مقالہ محدث میں شائع ہو چکا ہے جس میں ایسی احادیث کو متواتر ثابت کیا گیا ہے۔ دیکھئے 'محدث' بابت اگست ۱۹۹۳ء ص ۳۳ تا ۶۴

www.KitaboSunnat.com

پہلی حدیث

''حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دفعہ) میں نے حضرت ہشام بن حکیم بن حزام کو سورۂ فرقان اس سے مختلف طریقے پر پڑھتے سنا جس سے میں پڑھتا تھا، حالاں کہ سورۂ فرقان مجھے خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی تھی۔ قریب تھا کہ میں غصے سے اُن پر جھپٹ پڑتا، مگر میں نے صبر کیا اور اُنھیں مہلت دی، یہاں تک کہ اُنہوں نے اپنی قراءت مکمل کر لی۔ پھر میں نے اُن کی چادر پکڑی اور اُنہیں کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! میں نے ان کو سورۂ فرقان اس سے مختلف طریقے پر پڑھتے سنا ہے، جس پر آپ ﷺ نے پڑھائی تھی۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا: انھیں چھوڑ دو، پھر حضرت ہشامؓ سے فرمایا کہ تم پڑھو! چنانچہ اُنھوں نے سورۂ فرقان اسی طرح پڑھی جس طرح میں نے اُن کو پہلے پڑھتے سنا تھا۔ ان کی قراءت سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسی طرح اُتری ہے۔ پھر آپؐ نے مجھے فرمایا کہ تم پڑھو! چنانچہ میں نے (اپنے طریقے پر) پڑھی تو آپؐ نے فرمایا کہ اسی طرح اُتری ہے۔ پھر مزید فرمایا کہ یہ قرآن سات حرفوں (سبعہ احرف) پر نازل ہوا ہے، لہٰذا جس طرح سہولت ہو، اس طرح پڑھو۔'' (صحیح بخاری: رقم ۲۴۱۹، صحیح مسلم: ۸۱۸)

دوسری حدیث

''حضرت اُبی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ جبرائیلؑ سے رسول اللہ ﷺ ملے تو آپؐ نے ان سے فرمایا: اے جبرائیل! مجھے ایسی اُمت کی طرف بھیجا گیا ہے جو اَن پڑھ ہے۔ پھر ان میں سے کوئی بوڑھا ہے، کوئی بہت بوڑھا، کوئی لڑکا ہے، کوئی لڑکی اور کوئی ایسا آدمی ہے جس نے کبھی کوئی تحریر (کتاب) نہیں پڑھی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرائیلؑ نے مجھے جواب دیا کہ اے محمدؐ! قرآن سات حرفوں (سبعہ احرف) پر اُترا ہے۔'' (جامع ترمذی: ۲۹۴۴)

تیسری حدیث

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبرئیل نے پہلے مجھے قرآنِ مجید ایک حرف کے مطابق پڑھایا۔ پھر میں نے کئی بار اصرار کیا اور مطالبہ کیا کہ قرآنِ مجید کو دوسرے حروف (Versions) کے مطابق بھی پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ وہ مجھے یہ اجازت دیتے گئے یہاں تک کہ سات حرفوں (سبعہ احرف) تک پہنچے۔

اس روایت کے راوی امام ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں کہ وہ سات حروف جن کے مطابق

www.KitaboSunnat.com

قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی، ایسے تھے کہ وہ تعداد میں سات ہونے کے باوجود گویا ایک ہی حرف تھے۔ان کے مطابق پڑھنے سے حلال وحرام کا فرق واقع نہیں ہوتا۔''
(صحیح بخاری:۳۲۱۹،صحیح مسلم:۸۱۹)

چوتھی حدیث

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو قرآن پڑھتے سنا جب کہ اس سے پہلے میں نے نبی ﷺ کو اس سے مختلف طریقے پر پڑھتے سنا تھا۔ میں اس آدمی کو نبیؐ کی خدمت میں لے گیا اور آپ کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو میری بات ناگوار گزری ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا:
تم دونوں ٹھیک طرح پڑھتے ہو۔ آپس میں اختلاف نہ کرو، کیونکہ تم سے پہلے جو قومیں ہلاک ہوئیں، وہ اختلاف ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔'' (صحیح بخاری:۳۴۷۶)

ان احادیثِ صحیحہ سے واضح ہوجاتا ہے کہ قرآنِ مجید کو مختلف لہجات کے مطابق پڑھنے کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی ہوئی ہے جو دراصل ایک ہی عربی زبان کے الفاظ کے مختلف تلفظاتPronounciations تھے جو دنیا کی ہر زبان میں پائے جاتے ہیں۔

❷ کیا ایک کے سوا باقی تمام قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں؟

غامدی صاحب کے موقف کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی ایک قراءت کے سوا باقی تمام قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔ غالباً یہ نکتہ (بلکہ اسے 'حربہ' کہنا زیادہ موزوں ہے) غامدی صاحب نے جناب پرویز صاحب سے سیکھا ہے جو تمام احادیث کو عمر بھر عجمی سازش کا نتیجہ قرار دیتے رہے۔ اب انہی کے انداز میں غامدی صاحب نے بھی قرآن مجید کی ایک قراءت کے سوا باقی سب قراءتوں کو عجم کا فتنہ قرار دے ڈالا ہے۔

غامدی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس 'روایتِ حفص' کو وہ 'قراءتِ عامہ' کا جعلی نام دے کر صحیح مان رہے ہیں وہ دراصل امام عاصم بن ابی النجودؒ کی قراءت ہے جس کو امام ابوحفص نے اُن سے روایت کیا ہے اور خود امام عاصم بن ابی النجود عربی النسل نہیں بلکہ عجمی النسل تھے۔ چنانچہ امام بدرالدین زرکشیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب البرهان في علوم القرآن میں پہلے سبعہ قراء (سات مشہور قراء حضرات) کے یہ نام لکھے ہیں:

www.KitaboSunnat.com

① عبداللہ بن عامر شامی (م ۱۱۸ھ) ② عبداللہ بن کثیر مکی (م ۱۲۰ھ)
③ عاصم بن ابی نجود (م ۱۲۸ھ) ④ ابوعمرو بن علاء بصری (م ۱۵۴ھ)
⑤ حمزہ بن حبیب الزیات (م ۱۵۶ھ) ⑥ نافع بن عبدالرحمٰن (م ۱۶۹ھ)
⑦ علی بن حمزہ کسائی اسدی (م ۱۸۹ھ)

اوراس کے بعد یہ لکھا ہے کہ

ولیس في هؤلاء السبعة من العرب إلاَّ ابن عامر و أبو عمرو

''اوران ساتوں میں سوائے ابن عامر اور ابوعمرو کے کوئی بھی عربی النسل نہیں۔''

(البرہان: جلد اوّل، صفحہ ۳۲۹، طبع بیروت)

اب غامدی صاحب اگر عربی النسل قراء کی قراءتوں کو 'عجم کا فتنہ' کہہ کر اُن کا انکار کر سکتے ہیں تو وہ ایک عجمی قاری کی قراءت (امام عاصمؒ کی قراءت جس کی روایت امام حفصؒ نے کی ہے اور جسے غامدی صاحب 'قراءتِ عامہ' کا نام دے کر صحیح مانتے ہیں) کو کس دلیل سے صحیح مانتے ہیں؟ اگر عربی قراءتیں محفوظ نہیں رہیں اور وہ عجم کے فتنے کا شکار ہوگئی ہیں تو ایک عجمی قراءت عجم کے فتنے سے کیسے محفوظ رہ گئی؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ متواتر قراءتیں عجم کا فتنہ نہیں ہیں بلکہ غامدی صاحب خود عجم کا فتنہ ہیں۔

③ اُمتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت جس قراءت کے مطابق قرآن کی تلاوت کررہی ہے، کیا صرف وہی قرآن ہے؟

غامدی صاحب کہتے ہیں کہ اُمتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت جس قراءت کے مطابق قرآن کی تلاوت کررہی ہے، صرف وہی قرآن ہے۔ عظیم اکثریت کی بنا پر قرآن کی ایک ہی قراءت ہونے کا دعویٰ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ دنیاے اسلام میں چونکہ حنفی فقہ کے پیروکاروں کی اکثریت ہے، اس لیے صرف فقہ حنفی ہی صحیح فقہ ہے اور صرف یہی اسلامی فقہ ہے اور باقی تمام فقہیں فتنۂ عجم کے باقیات ہیں۔ ظاہر ہے ایسا دعویٰ صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو یا تو احمق ہو، یا انتہائی درجے کا متعصب ہو یا پھر فتنہ پرور ہو۔

www.KitaboSunnat.com

❹ کیا قرآن کا متن ایک قراءت کے سوا کسی اور قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا؟

اب ہم غامدی صاحب کے موقف کے اس نکتے پر بحث کریں گے کہ کیا قرآن کا متن ایک قراءت کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟

غامدی صاحب کا یہ موقف ہرگز صحیح نہیں ہے کہ قرآن کا متن ایک روایتِ حفص کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے متن میں تمام قراءاتِ متواترہ کی گنجائش موجود ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ موجودہ مصاحف کے قرآنی الفاظ رسم عثمانی کے مطابق لکھے گئے ہیں۔ اس رسم الخط کی خوبی اور کمال یہی ہے کہ اس میں تمام قراءاتِ متواترہ (سبعہ وعشرہ) کے پڑھنے کا امکان موجود ہے اور یہ ساری قراءات حضرت عثمان کے اطرافِ عالم میں بھیجے ہوئے نسخوں کے رسم الخط میں سما جاتی ہیں۔

مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ کی آیت ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کو لیجیے۔ اسے رسم عثمانی میں (بغیر اعراب اور نقطوں کے) یوں لکھا گیا تھا: ملك یوم الدین

اس آیت میں لفظ ملك کو مٰلِكِ اور مَلِكِ دونوں طرح سے پڑھا جاسکتا ہے اور یہ دونوں قراءتیں متواترہ ہیں۔ روایتِ حفص میں اسے مٰلِكِ (میم پر کھڑا زبر) اور روایتِ ورش میں اسے مَلِكِ (میم پر زبر) کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ حجاز میں یہ دونوں الفاظ ایک ہی مفہوم کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ یعنی روزِ جزا کا مالک یا روزِ جزا کا بادشاہ۔ بادشاہ بھی اپنے علاقے کا

☆ یہاں یاد رہنا چاہئے کہ قرآن کریم میں کسی بھی قراءت کے مستند ہونے کے لئے یہ شرط بنیادی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ قراءات کی مشہور کتاب 'شاطبیہ' کی شرح 'عنایاتِ رحمانی' کے مؤلف قاری فتح محمد لکھتے ہیں اور یہی بات امام القراء محی الاسلام عثمانی پانی پتی نے اپنی کتاب 'شرح سبعہ قراءت' میں بھی لکھی ہے کہ

''① جو قراءت عربیت کے موافق ہو اگرچہ یہ موافقت بوجہ ہو، ② مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق ہو خواہ یہ مطابقت احتمالاً ہو، ③ متواتر ہو..... وہ قراءتِ صحیحہ اور ان احرفِ سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن نازل ہوا۔ مسلمانوں کا اس کو قبول کرنا واجب ہے۔ (ج ۱ ص ۱۰۳) اور اگر تینوں میں سے کسی شرط میں خلل آجائے تو وہ قراءت شاذہ، ضعیف یا باطل ہوگی۔ حافظ ابوعمرو عثمان دانیؒ، ابوالعباس احمد بن عمار مہدوی، ابومحمد مکی اور حافظ ابوشامہ وغیرہ متقدمین کا یہی موقف ہے۔ (عنایاتِ رحمانی: ج ۱ ص ۱۶) مزید تفصیلات کیلئے المنجد المقرئین: ص ۱۵، ۱۶، ۱۹، لطائف الاشارات ۱/۶۹، الابانہ: ص ۵۷ تا ۵۹، ۶۲، ۱۰۰ ح م

www.KitaboSunnat.com

مالک ہی ہوتا ہے۔قرآنِ مجید کے نظائر سے بھی ان دونوں مفاہیم کی تائید ملتی ہے۔اس طرح قراءات کا یہ اختلاف اور تنوع قرآنِ مجید کے رسم عثمانی سے ہی ثابت☆ ہوتا ہے۔

اب مذکورہ لفظ **ملك** کے رسم عثمانی پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ غامدی صاحب کی رائے کے برعکس اس قرآنی لفظ کا متن روایتِ ورش (مَلِكِ) کو زیادہ قبول کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں روایتِ حفص کو کم قبول کرتا ہے۔ پہلی قراءت (روایتِ ورش) میں اسے بغیر تکلف کے **ملك** کو مَلِكِ پڑھا جاسکتا ہے۔ اور دوسری قراءت (روایتِ حفص) میں اسے تھوڑے سے تکلف (کھڑا زبر) کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

پہلی دلیل

اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ یہی لفظ جب سورۃ الناس کی دوسری آیت میں آتا ہے تو رسم عثمانی کے مطابق اس طرح آتا ہے: ﴿ملك الناس﴾ اور سب اسے ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ پڑھتے ہیں جو کہ متن کے بالکل قریب ایک صحیح قراءت ہے اور اسے کوئی بھی مٰلِكِ (کھڑے زبر کے ساتھ) نہیں پڑھتا۔لہٰذا سورۃ الفاتحہ میں بھی مٰلِكِ کو مَلِكِ پڑھنے کی پوری پوری گنجایش موجود ہے اور روایتِ ورش کے مطابق یہ بالکل جائز اور درست ہے۔

دوسری دلیل

اس کی دوسری دلیل سورۂ ہود کی آیت نمبر ۴۱ کے لفظ **مَجْرٖهَا** میں ہے: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا﴾ جسے رسم عثمانی میں یوں لکھا گیا ہے: **بسم الله محرها و مرسها**

اس میں لفظ **مجرها** کو قراءاتِ متواترہ میں تین طرح سے پڑھا جاتا ہے:

مجرها	اصل رسم عثمانی
① مَجْرٖىهَا	ایک متواتر قراءت کے مطابق
② مُجْرِيْهَا	دوسری متواتر قراءت کے مطابق
③ مَجْرَىٰهَا	تیسری متواتر قراءت (روایتِ حفص) کے مطابق

اس سے معلوم ہوا کہ رسم عثمانی کے مطابق لکھا ہوا یہ لفظ محرها جو کہ قرآن کا اصل متن ہے، وہ تینوں متواتر قراءتوں کو قبول کرلیتا ہے اور اسے تینوں طریقوں سے پڑھنے کی گنجائش

www.KitaboSunnat.com

موجود ہے۔ بلکہ اہل علم جانتے ہیں کہ ان میں پہلی دو قراءتیں تیسری قراءت (روایتِ حفص) کے مقابلے میں زیادہ متداول اور زیادہ فصیح عربی کے قریب ہیں۔ کیونکہ یہی لفظ جب مشہور جاہلی شاعر عمرو بن کلثوم کے معلّقے میں آتا ہے:

صبنت الكأس عنا أمّ عمرٍو
وكان الكأسُ مجراها اليمينا

تو اس شعر کے لفظ مجراها کو بھی عام طور پر مَجْرٰهَا پڑھا جاتا ہے۔ اسے روایت حفص کی طرح کوئی بھی مَجْرَےْ هَا نہیں پڑھتا۔

تیسری دلیل

غامدی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ خود روایتِ حفص (جسے وہ قراءتِ عامہ کا نامانوس نام دیتے ہیں) میں بھی قرآنِ مجید کے کئی الفاظ کی دو دو قراءتیں درست ہیں۔ گویا ایک ہی قراءت (روایتِ حفص) میں بھی بعض قرآنی الفاظ کو دو دو طریقوں سے پڑھا جاسکتا☆ ہے اور پڑھا جاتا ہے۔ جیسے:

الف) سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۴۵ میں ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ﴾
یہاں لفظ يَبْصُطُ کو دیگر قراءتوں میں يَبْسُطُ بھی پڑھا جاتا ہے جس کے لیے ہمارے ہاں کے مصاحف میں حرف صاد کے اوپر چھوٹا 'س' ڈال دیا جاتا ہے۔

ب) سورۃ الروم کی آیت نمبر ۵۴ میں ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً...﴾ میں روایتِ حفص میں ہی ضُعْفٍ کے تینوں الفاظ کو ضَ کے زبر کے ساتھ ضَعْفٍ پڑھنا بھی جائز ہے، جیسا کہ اس کا تذکرہ ہر قرآن مجید کے حاشیہ پر موجود ہوتا ہے۔

ج) سورۃ الطّور کی آیت نمبر ۳۷ میں ہے: ﴿اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ﴾ میں لفظ الْمُصَيْطِرُوْنَ کو الْمُسَيْطِرُوْنَ بھی پڑھا جاتا ہے۔ روایت حفص میں 'ص' اور 'س' دونوں طرح منقول ہے۔

☆ روایتِ حفص میں يَبْصُطُ کو صرف س کے ساتھ ہی پڑھا جاسکتا ہے۔

اس وضاحت کے بعد کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ قرآن کا متن ایک قراءت کے سوا کسی اور قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا؟ ایسا دعویٰ صرف وہی آدمی کرسکتا ہے جو علم قراءات سے نابلد اور رسم عثمانی سے بے خبر ہو اور جس نے کبھی آنکھیں کھول کر قرآن کے متن کو نہ پڑھا ہو۔

دراصل قراءاتِ متواترہ کا یہ اختلاف دنیا کی ہر زبان کی طرح تلفظ اور لہجے کا اختلاف ہے۔ ان سے قرآنِ مجید میں کوئی ایسا ردّ و بدل نہیں ہوجاتا جس سے اس کے معنی اور مفہوم تبدیل ہوجائیں یا حلال حرام ہوجائے بلکہ اس کے باوجود بھی قرآن قرآن ہی رہتا ہے اور اس کے نفس مضمون میں کسی قسم کا کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

خود ہماری اُردو زبان میں اس کی مثالیں موجود ہیں:

۱۔ ''پاکستان کے بارہ میں''	یا	''پاکستان کے بارے میں''
۲۔ ''ناپ تول''	یا	''ماپ تول''
۳۔ ''خسر''	یا	''سسر''

یہ 'بارہ' اور 'بارے' دونوں درست ہیں۔ یہ تلفظ اور لہجے کا فرق ہے، مگر معنی کا فرق نہیں ہے۔ اسی طرح انگلش کا لفظ Schedule ہے۔ اس کے دو تلفظ 'شیڈول' اور 'سیجول' ہیں اور دونوں درست ہیں، Cosntitution کو کانسٹی ٹیوشن اور کانسٹی چوشن بھی پڑھتے ہیں اور یہ بھی محض تلفظ اور لہجے کا فرق ہے، کوئی معنوی فرق نہیں ہے۔ بالکل یہی حال قرآنِ مجید کی مختلف قراءاتِ متواترہ کا ہے۔

قارئین محدث کے لئے خوشخبری

'محدث' کے باقاعدہ قارئین جانتے ہیں کہ اس ماہنامہ میں عرصۂ دراز سے جاوید احمد غامدی کے افکار ونظریات پر تحقیق وتنقید کا سلسلہ جاری ہے جن میں بالخصوص اگست ۲۰۰۱ء اور جون ۲۰۰۵ء میں محدث کی دو خصوصی اشاعتیں اور اسی موضوع پر ۱۹۹۱ء سے تسلسل کے ساتھ شائع ہونے والے بیسیوں مضامین قابل مطالعہ ہیں۔

گذشتہ سال جون ۲۰۰۶ء سے جناب چودھری محمد رفیق صاحب نے، جو غامدی صاحب کے دیرینہ ہم دم وہم نشین بھی رہے ہیں، ان کے نظریات پر باقاعدگی کے ساتھ نقد ونظر کا سلسلہ شروع کیا جسے کافی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ ہمارے قارئین کے لئے یہ خبر انتہائی مسرت کا باعث ہوگی کہ چودھری صاحب کے محدث میں شائع ہونے والے مضامین پر مشتمل کتاب شائع ہوکر مارکیٹ میں آگئی ہے۔ کتاب کی ضخامت ۲۷۰ صفحات ہے اور قیمت ۱۷۰ روپے ہے جسے ادارۂ محدث سے طلب کیا جاسکتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد رفیق چودھری کی طرف سے

جناب جاوید احمد غامدی کو مناظرے کا چیلنج

پاکستان کے مسلمہ مسالک کے کوئی سے تین معتمد علماے کرام کی منصفی میں لاہور کے کسی بھی میڈیا فورم پر درج ذیل دس (۱۰) مسائل پر مجادلۂ احسن کا چیلنج دیا جاتا ہے

① اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے یا نہیں؟

② کیا حدیث سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ نہیں ہوتا؟

③ کیا اسلام میں دو جرائم (قتل اور فساد فی الارض) کے سوا کسی اور جرم میں قتل کی سزا نہیں دی جاسکتی؟

④ کیا شریعت میں شادی شدہ زانی کی سزا سنگساری ہے یا نہیں؟

⑤ کیا کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟

⑥ کیا کوئی مفتی کسی گمراہ شخص کی تکفیر کرنے کا مجاز نہیں۔

⑦ کیا موجودہ دور میں کفار کے خلاف جہاد وقتال کا شریعت میں جواز ہے؟

⑧ کیا مسلمان عورت کے لیے دوپٹہ پہننا شرعی حکم ہے یا نہیں؟

⑨ کیا سنت حضرت ابراہیمؑ سے شروع ہوتی ہے یا حضرت محمد ﷺ سے؟

⑩ کیا قرآنِ مجید کی صرف ایک ہی قراءت درست اور جائز ہے؟

تاریخ ۲۰/جولائی ۲۰۰۷ء

www.KitaboSunnat.com

اصلاحِ نسواں

سماحۃ الشیخ محمدؒ بن ابراہیم آلِ شیخ
ترجمہ: مولانا عمر فاروق سعیدی☆

مسلمان دوشیزاؤں، خواتین اور ان کے
والدین/سرپرستوں کے نام کھلا خط

اللہ کے بندے محمد بن ابراہیم ـــــ اللہ اس پر رحم فرمائے ـــــ کی طرف سے، اپنے تمام مسلمان بھائیوں کے نام، جو اسے ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو ایسے اعمال کی توفیق دے جو اُسے راضی کرنے والے ہوں، اور ہمیں ایسے اعمال و اسباب سے محفوظ رکھے جو اُس کی نافرمانی اور ناراضگی کا سبب ہوسکتے ہوں۔ امابعد!

☆ انتخاب وترجمہ: ابوعمار عمر فاروق سعیدی، سابق مدیر التعلیم جامعہ ابی بکر الاسلامیہ کراچی
حال مدرّس جامعہ مرأۃ القرآن والحدیث، منڈی واربرٹن، ننکانہ

◉ سابق مفتی اعظم سعودی عرب..... فضیلۃ الشیخ محمدؒ بن ابراہیم آل شیخ، ابوعبدالعزیز محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن امام محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ۱۷ محرم ۱۳۱۱ھ کو آنجناب کی شہر ریاض (سعودی عرب) میں ولادت ہوئی اور اپنے والدِ گرامی جناب ابراہیم عبداللطیفؒ کی زیرنگرانی آپ نے تربیت پائی۔ ۱۱ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ ۱۶ سال کے تھے کہ آپ کی بینائی جاتی رہی۔ مگر اس حادثے نے آپ کے عزم وثبات کو کسی طرح متزلزل نہیں ہونے دیا بلکہ اپنے دور کے علما کے علمی دروس واسباق میں اہتمام سے حاضر ہوتے رہے۔ آپ نے اپنے والدِ گرامی کے علاوہ اپنے چچا علامۂ نجد شیخ عبداللہ بن عبداللطیف کے ہاں اپنے تعلیمی مراحل مکمل کئے، دریں اثنا مختلف علوم کے متون ومختصرات ازبر کر لئے۔ شیخ سعد بن عتیقؒ کے ہاں سے فقہ اور مصطلح الحدیث کا درس لیا۔ شیخ حمد بن فارسؒ سے لغت، نحو اور علومِ عربیہ کے اسباق پڑھے۔ بعد ازاں، تدریس علوم شرعیہ، فتویٰ نویسی اور وعظ وتذکیر میں مشغول ہوگئے اور ساتھ ہی کچھ حکومتی ذمہ داریوں سے بھی عہدہ برا ہوتے رہے۔ آپ سے بڑے بڑے علما نے کسبِ فیض کیا ہے جن میں فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن حمیدؒ، شیخ عبدالعزیز بن بازؒ اور شیخ سلیمان بن عبید وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔ ۲۰ رمضان ۱۳۸۹ھ کو بدھ کے روز آپ کی وفات ہوئی جبکہ آپ کی عمر ۷۸ سال ہوچکی تھی۔ آپ نے اپنے علمی ترکہ میں فتاویٰ اور رسائل و مسائل کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ جو بحمداللہ کئی جلدوں میں طبع ہوچکا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

www.KitaboSunnat.com

اس دور میں حالات بہت حد تک بدل چکے ہیں۔عورتوں کی بڑی تعداد نے حیا کی چادر اُتار پھینکی ہے۔ دینی احکام کی پاسداری کے سلسلے میں یہ بڑی بے پرواہ اور بے فکر ہوتی جارہی ہیں، اور روز بروز اس میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔اس بات سے شدید خوف آتا ہے کہ مسلمان قوم اپنی عریانی، بے پردگی، بے راہ روی اور آزاد روش کی بنا پر اللہ کی طرف سے کسی بدترین سزا اور سابقہ قوموں جیسے خوفناک انجام سے دوچار نہ ہوجائے۔

فی زمانہ مسلمان عورتوں نے بالعموم ایسے لباس پہننا شروع کردیئے ہیں جو ان کے جسم کے نشیب وفراز اور اَنگ انگ کو ظاہر کرتے ہیں۔ان ملبوسات سے بازو، چھاتیاں، کمر اور کولہے سب نمایاں ہوتے ہیں۔مسلمان خواتین میں جو کپڑے روز بروز مقبول ہوتے جارہے ہیں وہ اس قدر باریک اور مہین ہوتے ہیں کہ ان سے ان کے جسم کی رنگت تک جھلکتی ہے۔ بازو بہت مختصر اور تنگ اور نیچے سے پنڈلیاں تک ننگی ہوتی ہیں۔ یقیناً یہ چیزیں فرنگیوں کی تقلید اور ان کے ساتھ والہانہ وارفتگی کا خوفناک نتیجہ ہیں۔موجودہ صورتحال انتہائی بے حیائی کی غماز ہے اور عام لوگ اس صورتِ حال پر خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔مسلم مردوں اور ذمہ داران کا یہ طرزِعمل اللہ کی حدود میں مداہنت، اللہ کی نافرمانی میں دلچسپی اور اُخروی انجام سے بے پروا لوگوں کی اطاعت کا نتیجہ ہے۔ یہ خاموشی کسی بڑی مصیبت کا پیش خیمہ اور کسی بڑے فساد کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ان حالات میں انتہائی ضروری ہے کہ ایسی عادات کا غلط اور حرام ہونا واضح کیا جائے۔اُنہیں ان کے غلط اقدامات سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

اختصار کے ساتھ ذیل میں اس مسئلہ کے بعض اہم پہلو پیش کئے جاتے ہیں:

❶ یہ (بے پردگی اور عریانی) فرنگیوں اور غیر مسلموں کی تقلید ہے۔قرآن کریم کی بہت سی آیات اور احادیث میں غیر مسلموں کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔جن سے واضح ہوتا ہے کہ کفار کی پیروی اور تقلید سے روکنا صاحبِ شریعت ﷺ کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تھا۔شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی اہم تالیف اقتضاء الصراط المستقیم☆ في مخالفة

☆ اس کتاب کے کئی اُردو تراجم دستیاب ہیں، مثلاً 'اسلام اور غیر اسلامی تہذیب' ترجمہ: مولوی شمس تبریز خان، رفیق مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام اور 'راہِ حق کے تقاضے' ناشر: مکتبہ سلفیہ لاہور، وغیرہ

www.KitaboSunnat.com

أصحاب الجحیم میں ایسے تمام نقصانات کا تذکرہ کیا ہے جو عجمیوں اور کفار کی تقلید سے سامنے آتے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ نے کفار کے علاوہ عجمی، بدوی اور دیہاتی لوگوں کی مشابہت سے بھی منع کیا ہے اور اس ممانعت میں دورِ نبویؐ کے اعاجم و کفار کی طرح آج کے عجمی بھی شامل ہیں، بلکہ اس میں مسلمان عجمی بھی شامل ہیں جن سے سابقین اوّلین محفوظ تھے اور ان لوگوں کے رسوم و رواج اور بہت سے معمولات اس 'جاہلیتِ اولیٰ' کے زُمرے میں آتے ہیں جن میں لوگ قبل از اسلام مبتلا تھے۔ افسوسناک بات تو یہ ہے کہ اب تو عرب کی بھی ایک بڑی تعداد اپنی ان سابقہ جاہلیت والی عادات ورسوم کی طرف لوٹ رہی ہے۔

❷ عورت سرتا پا قابل ستر ہے، اور ازروئے شریعت اس امر کی پابند ہے کہ اپنے آپ کو چھپائے، پردہ کرے اور کسی صورت بھی اپنے حسن و جمال، زیب و زینت، سنگھار اور مردوں کو فتنہ میں ڈالنے والے جسم کی نمائش نہ کرے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ (الاحزاب:۵۹)

''اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیں کہ اپنی چادریں اپنے اُوپر اوڑھے رکھا کریں۔''

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ (الاحزاب:۳۳)

''اور سابقہ جاہلیت کی طرح اپنی زینت کا اظہار نہ کرتی پھریں۔''

اس دور میں رواج پانے والا فرنگی لباس کفار کی مشابہت کے علاوہ عورت کے جسم کو کسی طرح بھی چھپانے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ اس کے فتنہ ہائے جسم کو ازحد نمایاں کرتا ہے۔ اس لباس کی یہ خصوصیت خود عورت اور اسے تاکنے والوں کو دھوکے اور فتنے میں مبتلا کردیتی ہے۔ ایسا لباس پہننے والی عورت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی مصداق ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«صنفان من أمتي من أهل النار لم أرهما بعد: نساء كاسيات عاريات مائلات مميلات على رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة

www.KitaboSunnat.com

ولا يجدن ريحها ورجال معهم سياط مثل أذناب البقر يضربون بها الناس» (مسند احمد:۲/۳۵۵،صحیح مسلم:۲۱۲۸)

''میری اُمت میں سے دوطرح کے لوگ دوزخی ہوں گے، میں نے ابھی تک انہیں دیکھا نہیں ہے: ① ایسی عورتیں جو کپڑے پہنے ہوں گی مگر (حقیقت میں) بے لباس اور ننگی ہوں گی، (بے حیائی کی طرف) مائل اور دوسروں کو مائل کرنے والی ہوں گی۔ ان کے بالوں کی وضع ایسی ہوگی جیسے کہ بختی اونٹنیوں کے ڈھلکے ہوئے کوہان ہوں، یہ جنت میں داخل نہ ہوں گی بلکہ اس کی خوشبو تک نہ پاسکیں گی اور ② مرد ہوں گے، ان کے ہاتھوں میں کوڑے ہوں گے جیسے کہ بیلوں کی دُمیں ہوتی ہیں، وہ ان سے لوگوں کو مارتے پھرتے ہوں گے۔''

اس حدیث کی شرح میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان عورتوں کے لباس اس قدر باریک اور مہین ہوں گے کہ ان کے جسم کی رنگت دکھاتے ہوں گے یا اس قدر تنگ اور چست ہوں گے کہ ان کے جسم کا انگ انگ ظاہر ہوتا ہوگا۔

عورت کا لباس ایسا ہونا چاہئے جو اس کے جسم کو پوری طرح چھپالے۔ کپڑا موٹا اور کھلا ہو جس سے اعضا کی جسامت نمایاں نہ ہو۔ مسلمان عورت کو اسلام کی ہدایت ہے کہ وہ اپنے آپ کو چھپائے اور پردہ کرے، کیونکہ وہ سراسر عَوْرَة ہے یعنی ستر اور چھپانے کی چیز۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے لیے حکم ہے کہ اللہ کے حضور نماز پڑھتے ہوئے بھی اپنا سر ڈھانپے، خواہ اپنے گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو، اور کوئی اجنبی اسے نہ بھی دیکھ رہا ہو، فرمانِ نبویؐ ہے:

لا يقبل الله صلاة حائض إلا بخمار (جامع ترمذی:۳۷۷)

''اللہ تعالیٰ کسی جوان بالغ عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں کرتا۔''

اس فرمان کا مفہوم اور تقاضا یہ ہے کہ شریعت نے جس تاکید سے عورت کو چھپنے کا حکم دیا ہے، اس طرح مردوں کو یہ حکم نہیں دیا۔ اور یہ خالص اللہ کا حق ہے، خواہ اسے کوئی اجنبی نہ بھی دیکھ رہا ہو۔ عورۃ (چھپانے کی چیز اور شرمگاہ) کا چھپانا اللہ عزوجل کا حق ہے، خواہ بندہ نماز میں نہ بھی ہو، یا اندھیرے میں ہو یا اکیلا ہو تب بھی ستر عورۃ واجب ہے۔ اسے ایسا لباس پہننا چاہئے جو اسے کماحقہ چھپادے، اور اس سے جلد کی رنگت ظاہر نہ ہوتی ہو۔ بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ

www.KitaboSunnat.com

''میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! اپنی شرم گاہوں کو کس سے چھپائیں اور کس سے نہ چھپائیں؟ فرمایا: ''احفظ عورتك إلا من زوجتك أو ما ملكت يمينك''
یعنی ''اپنے ستر (اور شرمگاہ) کی حفاظت کر (اور اسے چھپا) سوائے اپنی بیوی یا لونڈی کے۔''
کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اگر لوگ اپنے ہی ہوں، تو فرمایا:
''فإن استطعت أن لا يرينها أحد فلا يرينها''
''جہاں تک تیری طاقت ہو کہ اسے کوئی اور نہ دیکھ سکے، تو اسے کوئی اور نہ دیکھے''۔
میں نے کہا: اگر آدمی اکیلا ہو۔ تو فرمایا: ''الله أحق أن يستحيٰى منه''
''اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔'' (سنن ابوداؤد: ۴۰۱۷)

بلکہ ایسا لباس بھی صریحاً منع ہے جو جسم کی نرمی، سختی یا اس کا حجم واضح کرتا ہو۔ امام احمدؒ نے سیدنا اسامہ بن زیدؓ کی ایک روایت نقل کی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک قبطی (مصری) کپڑا عنایت فرمایا جو معمولی موٹا تھا، یہ کپڑا آپ کو دحیہ کلبیؓ نے ہدیہ کیا تھا۔ میں نے وہ کپڑا اپنی بیوی کو پہننے کو دے دیا۔ بعد میں آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا: ''کیا بات ہے کہ تو نے وہ قبطی کپڑا پہنا نہیں؟'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! وہ میں نے اپنی بیوی کو پہنا دیا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا: «مُرها فلتجعل تحتها غِلالة إني أخاف أن تصف حجم عظامها» ''اسے کہنا کہ اس کے نیچے (بنیان کی طرح کوئی) زیر جامہ بھی استعمال کرے، مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے اس کی ہڈیوں کا حجم جھلکے گا۔'' (مسند احمد: ۲۰۵/۵)

فقہاے کرام نے لکھا ہے کہ عورت کے لئے اپنا کمر بند کس کر باندھنا بھی درست نہیں ہے، جیسے کہ زُنار ہوتی ہے۔ چاہے وہ عورت نماز کے اندر ہو یا عام حالت میں، کیونکہ اس سے عورت کے اعضاے جسم اور کولہے وغیرہ بہت نمایاں ہوجاتے ہیں۔

فقہا تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ عورت کو اُٹھتے بیٹھتے ہوئے اپنے کپڑے بھی زیادہ سمیٹنے نہیں چاہئیں کیوں کہ اس سے اس کے جسم کے انگ نمایاں ہوجاتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ کی ان ہدایات کی روشنی میں آج ہم عورتوں کے اس لباس کا جائزہ لیں جو روز بروز مقبول ہوتا جارہا ہے، تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ لباس تو کمر بند باندھنے اور کپڑے سمیٹنے سے کہیں بڑھ کر ہے، لہٰذا اس کی ممانعت اور اس سے احتراز کرنے کی زیادہ تاکید ہونی چاہئے۔

www.KitaboSunnat.com

❸ عورتوں کے مقبولیت پانے والے موجودہ لباسوں میں ایک قباحت یہ ہے کہ وہ مردوں کے لباس سے مشابہت رکھتے ہیں جسے اختیار کرنا ایک کبیرہ گناہ ہے۔ حدیث میں ہے:

«لعن الله المُتَشَبِّهَات من النساء بالرجال ولعن الله المُتَشَبِّهِيْنَ من الرجال بالنساء» (معجم کبیر از طبرانی:۴۱۵۰)

''اللہ کی لعنت ہے، ایسی عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں، اور اللہ کی لعنت ہے ایسے مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اپنائیں۔''

دوسری روایت میں ہے:

«لعن الله المُتَخَنِّثِيْنَ من الرجال والمترجلات من النساء»

''اللہ کی لعنت ہے ایسے مردوں پر جو ہیجڑے بنتے ہیں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اپنائیں۔'' (مصنف ابن ابی شیبہ:۶/۲۳۶)

جو عورت مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے، وہ آہستہ آہستہ ان کی عادات بھی اپنانے لگتی ہے، مثلاً کھلے عام باہر نکلنا، زینت کا اظہار کرنا، مردوں کی مجلسوں میں بیٹھنا۔ ان عادات کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایسی عورت کا جسم بھی ظاہر اور نمایاں ہوگا۔ عورت میں عموماً دوسروں سے ممتاز ہونے کا رجحان پایا جاتا ہے جیسا کہ یہ عادات مردوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اِن عادات کی بنا پر عورت کا ایسے اعمال میں پڑ جانے کا شدید احتمال ہوتا ہے جو حیا اور نسوانی صفات اور حدود کے بالکل خلاف ہوں۔

بالکل اسی طرح جو مرد عورتوں کی مشابہت اور ان کی نقالی کرتے ہیں، وہ ان کی سی عادات بھی اپنانے لگتے ہیں حتی کہ ہیجڑہ پن اور تلون مزاجی ان کی مستقل عادت بن جاتی ہے بلکہ بعض تو بالکل عورتوں کا سا چال چلن اختیار کر لیتے ہیں۔ اللہ کی بے شمار رحمتیں اور سلامتی ہو اس ہستی پر جس نے اللہ کا دین ہمیں خوب واضح کر کے پہنچایا اور کامل طور پر اللہ کی امانت ادا فرما دی اور اُمت کی خیر خواہی میں قطعاً کوئی کمی نہیں چھوڑی۔

ان اسلام دشمن فرنگیوں کے نقش قدم پر چلنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مردوں عورتوں کی اکثریت بے محابا اکٹھے باہر آتے جاتے اور دفتروں میں اکٹھے کام کرتے ہیں۔ دکانوں اور بازاروں میں بھی اکٹھے کام کرتے ہیں، عورتیں بلا محرم اور بلا جھجک دوسروں کے ساتھ سفر کرتی نظر آتی

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ اور مردوں کا حال یہ ہے کہ عورتوں کی طرح بناؤ سنگار کرتے اور ان کی گفتگو سے نسوانیت جھلکتی ہے، مردوں کا عورتوں کے مشابہ عادات اختیار کرنا بالکل ناجائز ہے، مثلاً داڑھیاں منڈانا، سونے کی انگوٹھیاں، سونے کی گھڑیاں، کڑے اور چین وغیرہ استعمال کرنا، ملبوسات میں سونے کے بٹن استعمال کرنا وغیرہ اور عورتوں جیسی چال ڈھال اختیار کرنا۔ پھر یہ مرد ہوتے ہوئے عورتوں کی طرح اپنی چادریں شلواریں لٹکاتے ہیں اور دوسری طرف عورتوں کا حال یہ ہے کہ ان کا لباس مختصر ہوتے ہوئے گھٹنے یا اس سے اوپر تک آ رہا ہے، جس سے ان کی رانیں بالکل نمایاں (بلکہ عریاں) ہو رہی ہوتی ہیں۔ ہم ان کی اس بے حیائی اور اللہ کی حرمتوں کی پامالی پر اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

❷ عورتوں کے اس قسم کے لباس کو بے دین لوگ خواہ کتنا ہی زیب و زینت قرار دیں، لیکن ان کا یہ خیال نرا باطل ہے، کیونکہ زینت حقیقت میں وہ ہے جس میں شرم وحیا موجود ہو، اور عورت اس میں باوقار نظر آئے۔ یقیناً لباس اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم نعمت ہے جس کا اللہ نے احسان جتلایا ہے۔ فرمایا: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا﴾ (الاعراف:٢٦) ''اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر لباس اُتارا جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا اور تمہارے لئے زینت ہے۔'' اور یہ کوئی زینت نہیں کہ انسان بے لباس اور برہنہ ہو جائے اور بے دین فرنگیوں کی نقالی کرنے لگے۔

بالفرض اگر اسے زینت سمجھ بھی لیا جائے تو ہر عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ جو اس کے جی میں آئے، اسے زینت اور سنگار کے نام سے اپنا لے۔ زینت کے بہت سے ایسے پہلو ہیں جو شریعت میں ممنوع بلکہ حرام ہیں اور ان کا مرتکب لعنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔ جیسے واصلة اور مستوصلة (بال جوڑ کر لمبے کرنے اور کرانے والی مثلاً وِگوں کے ذریعے) نامصة اور مُتنمِّصة یعنی اپنے ابروؤں کو نوچ کر باریک بنانے اور بنوانے والی؛ واشرة اور مستوشرہ یعنی اپنے دانت باریک کرنے اور کروانے والی؛ واشمة اور مستوشمة جسم گودنے اور گدوانے والی، سب عورتوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ

www.KitaboSunnat.com

«لعن رسول الله ﷺ الوَاشِمَات والمُسْتَوْشمات والمُتَنَمِّصَات والمُتَفَلِّجَات للحُسن المُغَيِّرَاتِ لِخَلق الله» (صحیح بخاری:۵۹۳۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ایسی عورتوں پر لعنت کرتے ہیں۔ تو اُنہوں نے کہا: میں اس پر کیوں لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہو، جبکہ وہ کام کتاب اللہ میں بھی ہو۔ وہ عورت کہنے لگی: میں نے ان دو گتوں کے درمیان سارا قرآن پڑھ ڈالا ہے، مجھے تو کہیں نہیں ملا جو آپ کہتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا: اگر تو نے توجہ سے پڑھا ہوتا تو ضرور پالیتی۔ کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی:

﴿وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر:۷)

''جو کچھ تمہیں رسول دے دیں وہ لے لو، اور جس سے منع کر دیں اس سے رُک جاؤ'' رسول اللہ ﷺ نے ان اسب اُمور سے منع فرمایا ہے۔'' (صحیح بخاری:۴۸۸۶)

۵ عورتیں عقل ودانش اور دین کے لحاظ سے کمزور ہیں، ایسے ہی دینی علم اور عمل میں بھی قدرے ضعیف ہیں۔ چنانچہ ان میں فرنگیوں کی تقلید سے معاشرے میں جو شر اور فساد پھیل رہا ہے اس کی انتہا تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ آج ملکوں ملکوں میں جو فتنہ فساد پنپ رہا ہے، اس میں عورتوں کی بے راہ روی کا عمل دخل واضح ہے۔ صحیحین میں اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

«ما تركتُ بعدي على أمتي فتنة أضرّ على الرجال من النساء»

(صحیح بخاری:۵۰۹۶، صحیح مسلم:۲۷۴۰)

''میں نے اپنے بعد اپنی اُمت میں مردوں کیلئے عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے۔''

☆ اسی طرح حضرت ابوسعید خدریؓ کی مرفوع روایت ہے:

«إن الدنيا حلوة خضرة وإن الله مستخلفكم فيها فينظر كيف تعملون فاتقوا الدنيا واتقوا النساء فإن أول فتنة بني اسرائيل كانت في النساء»

''یہ دنیا انتہائی شیریں اور سرسبز وشاداب ہے اور اللہ نے تمہیں اس میں جانشین بنایا ہے اور وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم لوگ کیسے عمل کرتے ہو۔ سو تم دنیا سے اور عورتوں سے متنبہ رہو، بلا شبہ سب سے پہلا فتنہ جو بنی اسرائیل میں ظاہر ہوا تھا، وہ عورتوں ہی میں تھا۔'' (صحیح مسلم:۲۷۴۲)

www.KitaboSunnat.com

☆ اور حضرت ابوبکرؓ کی مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لن يُفْلِحَ قوم وَلَّوْا أمرَهم امرأة» (صحیح بخاری:۴۴۲۵)

''وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جو اپنے معاملات عورتوں کے سپرد کردے۔''

☆ اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ

«هلكت الرجال إذا أطاعت النساء» (مسند احمد:۴۵/۵)

''جب مرعورتوں کی اطاعت کرنے لگیں گے تو ہلاک ہوجائیں گے۔''

☆ اور ایک حدیث میں یوں ہے:

«وما رأيت من ناقصات عقل ودين أغلب للب الرجل منكن»

''میں نے تم عورتوں سے بڑھ کر کم عقل اور ناقص دین کسی کو نہیں دیکھا جو کسی اچھے بھلے دانا مرد کی عقل کھو دیتی ہیں۔'' (مستدرک حاکم:۶۴۵/۴)

☆ ایک بار مشہور شاعر اعشیٰ (عبداللہ بن اعور بازنی) نے اپنی ایک ملاقات میں آپ ﷺ کو اپنے کچھ اشعار سنائے، تو ان میں ایک مصرعہ یہ تھا: وَهُنَّ شُرٌّ غالبٍ لِمَنْ غَلَبَ

''اور یہ عورتیں جس پر غالب آجائیں تو بہت بُری ہوتی ہیں۔''

تو آپ یہ مصرعہ بار بار دہرانے لگے۔ (معرفة الصحابة لابی نعیم:۳۳۱/۳)

الغرض ان حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ مردوں کو چاہئے کہ اپنی عورتوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں اور یہ جو عورتیں اسلامی حدود سے تجاوز کررہی ہیں، ان کے ہاتھ پکڑیں، اور اُنہیں کپڑوں کے نت نئے غیر اسلامی فیشن اپنانے سے منع کریں۔ اللہ کی حدود کے معاملے میں ان کے ساتھ ہرگز کوتاہی نہ کریں۔ یاد رہے کہ یہ ذمہ داری مردوں پر شریعت اسلامیہ نے بھی واجب ٹھہرائی ہیں۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (التحریم:۶)

''ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچا لو، جس کا ایندھن لوگ ہوں گے اور پتھر۔ اور اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخُو اور سخت ہیں، اللہ جو انہیں حکم

www.KitaboSunnat.com

دے، اس کی وہ قطعاً نافرمانی نہیں کرتے، بلکہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں وہ حکم دے دے۔''

علماے اُمت نے صراحت سے لکھا ہے کہ عورت کے نگران اور سرپرست پر واجب ہے کہ اسے حرام اُمور کے ارتکاب سے بچائے، چاہے وہ لباس کا سلسلہ ہو یا کچھ اور۔ اگر وہ باز نہ آئے تو ولی اسے تادیبی سزا بھی دے سکتا ہے، جیسا کہ فرمانِ نبوی ﷺ بھی ہے:

«کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته» (صحیح بخاری:۸۹۳)

''تم میں سے ہر شخص مسئول اور ذمہ دار ہے، اور ہر شخص سے اس کی زیرتولیت (رعیت) کے متعلق پوچھا جائے گا۔''

الغرض معاشرتی تباہی کے اس سیلاب کے آگے بند باندھنا بہت ضروری ہے۔ اوّلاً تو حکام کو اس کا نوٹس لینا چاہیے، اور ساتھ ہی ان عورتوں کے والدین اور سرپرستوں کو بھی اس طرف توجہ کرنی چاہیے اور پھر بذاتِ خود عورت بھی اپنے گھر اور بہو بیٹیوں کیذمہ دار ہے، اس اس ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے کیونکہ اس سے روزِ قیامت ان اُمور کی پوچھ گچھ ہوگی اور اہل علم کو بھی چاہئیکہ لوگوں کو ان مسائل سے آگاہ کریں اور انہیں بُرے انجام سے ڈرائیں۔ بالخصوص جو لوگ سعودی حکومت میں شعبہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے وابستہ ہیں، ان کا تو فرضِ منصبی ہے کہ ان اُمور کی برائی واضح کریں، اور ان کے خاتمہ کے لیے بھرپور محنت کریں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعاگو ہیں کہ وہ ہمیں ان ظاہر و پوشیدہ گمراہ کن فتنوں سے بچائے رکھے۔ اپنے دین کی نصرت فرمائے اور اس کا کلمہ سربلند ہو، دین کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کرے، بلاشبہ وہ بڑا ہی سخی اور مہربان ہے۔

ایک غلط خبر کی اصلاح: ماہنامہ محدث کے شمارۂ جون کے صفحہ نمبر ۸۶ پر جامعہ منتظر کے بارے میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ وہاں ایک خبر کے ردعمل میں روزنامہ 'دن' کے دفتر پر مسلح کاروائی کی منصوبہ بندی کی گئی تھی جبکہ جامعہ مذکورہ کے ذمہ داران نے اس خبر کی پرزور تردید کی ہے۔

صاحبِ مضمون ابوالحسن علوی اور دیگر مضمون نگاروں کو اپنے مضامین میں پیش کردہ واقعات کو پوری جانچ پڑتال کے بعد درج کرنا چاہئے کیونکہ کسی بھی اشاعتی ادارہ کے لئے تمام واقعات اور حوالہ جات کی از سرنو تصدیق کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ بہرطور غلط فہمی کی بنا پر شائع ہونے والی اس خبر پر جامعہ مذکورہ کی تردید کو معتبر قرار دیتے ہوئے قارئین 'محدث' سے گذارش ہے کہ متعلقہ صفحہ پر مذکورہ واقعہ کی اصلاح کرلیں۔ ادارہ

www.KitaboSunnat.com

تحقیق وتنقید
آخری قسط

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد دین قاسمی

مذہبی پیشوائیت؛ مذہبِ پرویز کا ایک کھوٹا سکہ

پاکستان میں تھیاکریسی کا مصداق کون؟

پاکستان کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو زیادہ تر دو شخصیات نے متاثر کیا ہے۔ جن میں ایک جناب سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہیں اور دوسرے جناب غلام احمد پرویز۔ مؤخر الذکر کے نزدیک سید مودودیؒ اور ان کی جماعت ہی 'مُلّا' ہیں، جو اگرچہ اقامتِ دین کا نام لیتے ہیں، لیکن ان کے پیش نظر مذہبی پیشوائیت کا نظام قائم کرنا ہے:

''اقامتِ دین کی تحریک کے مدعی یہاں تھیاکریٹک نظام قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں نظامِ حکومت مذہبی پیشوائیت کے حق میں ہوتا ہے۔ ما أنزل الله کے مطابق قیامِ حکومت ان میں سے کسی کا بھی مطالبہ یا نصب العین نہیں۔''[۸۲]

ہمیں معلوم نہیں کہ 'مفکر قرآن' صاحب نے اس حقیقت کا انکشاف بر بنائے وحی کیا ہے یا ان کے دلوں کو ٹٹولا ہے یا 'مزاج شناس خدا' ہونے کی حیثیت سے وہ اس حقیقت کو جان گئے ہیں کہ ان کا مقصود تھیاکریٹک نظام کا قیام ہے۔

زمینی حقائق کی بنیاد پر اگر بے لاگ تحقیق کی جائے کہ مولانا مودودیؒ اور جناب پرویز صاحب میں سے کون 'مُلّا' ہے اور کس کے پیش نظر 'تھیاکریسی' قائم کرنا ہے تو تھیاکریسی کی اُن صفات کے پیش نظر جو 'مفکرِ قرآن' صاحب نے بیان کی ہیں، یہ معلوم کرنا کچھ بھی مشکل نہیں رہتا کہ پاکستان میں کس کے پیش نظر تھیاکریٹک نظام قائم کرنا ہے اور یہ کہ کس کی تحریک فی الواقع تھیاکریسی کی مصداق ہے اور کون ما أنزل الله کے مطابق قیامِ حکومت کا متمنی ہے اور کون ما أنزل الله کا ڈھنڈورا پیٹ کر مغربی معاشرت کے طور طریقوں کے ساتھ

---

[۸۲] طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۷۴ء، صفحہ ۴۷

www.KitaboSunnat.com

اشتراکیت کا معاشی نظام رائج کرنا چاہتا ہے۔

'مفکر ِقرآن' صاحب نے 'مذہبی پیشوائیت' کی صفات اتنی کثرت سے بیان کی ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے کہ ان کا اقتدارِ وقت کے ساتھ گٹھ جوڑ ہوتا ہے۔ محراب و منبر اور تاج وتخت کے درمیان ملی بھگت ہوا کرتی ہے، اربابِ شریعت اربابِ اقتدار کے گن گاتے ہیں اور وہ جواباً اُنہیں مراعات فراہم کرتے ہیں۔ پیشوایانِ مذہب، عامۃ الناس کو کرسی نشینوں کی اطاعت و اِنقیاد پر آمادہ کرتے ہیں اور اہل اقتدار کے ساتھ 'ساجھا پن' کے مزے لوٹتے ہیں۔ گدی نشینوں اور کرسی نشینوں کے درمیان 'شریفانہ معاہدہ' کے باعث علما حضرات لوگوں کو یہ سبق دیتے ہیں کہ ''راجہ، ایشور کا اوتار ہوتا ہے اور بادشاہ، خدائی حقوق کا حامل ہوتا ہے، لہٰذا اس کی اطاعت تم پر فرض ہے۔'' اس کے بدلہ میں راجہ اور بادشاہ مالی وظائف کا انتظام کرتے ہیں اور یوں مذہبی پیشوائیت اور اربابِ اقتدار کے درمیان راہ و رسم ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔

'مفکر قرآن' کی بیان کردہ ان صفات کی روشنی میں اگر بے لاگ عدل و انصاف سے کام لے کر تحقیق کی جائے تو ایک طرف تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مولانا مودودیؒ اور ان کی جماعت پاکستان میں ہر حکومت کے مخالف رہے ہیں۔ بلکہ بقول پرویز صاحب، اربابِ حکومت کو گالیاں دیتے رہے ہیں اور دوسری طرف یہ حقیقت بھی طشت اَز بام ہوجاتی ہے کہ چوہدری غلام احمد پرویز کے ہر حکومت کے سربراہ کے ساتھ اچھے اور خوشگوار تعلقات ہمیشہ قائم رہے ہیں، ہر حکمران کے وہ مقرب رہے ہیں اور ہر ذی اقتدار ہستی کے ساتھ ان کی اچھی علیک سلیک رہی ہے اور یہ بات اس اعتبار سے بھی قرین قیاس ہے کہ ہمارے حکمرانوں میں سے جو بھی تختِ اقتدار پر متمکن ہوا ہے، وہ مغربی افکار و نظریات ہی کا دودھ پی پی کر مغرب ہی کی بے حیا معاشرت کی گود میں پل کر آیا ہے اور اسے تقویٰ و پرہیزگاری کی اسلامی پابندی ہمیشہ گراں گزری ہے اس لئے ایسی پابندیوں کو 'ملا کی عائد کردہ پابندیاں' قرار دے کر اُنہیں ختم کردینے کی 'دانشورانہ' کاوشیں برسر اقتدار طبقہ کو بڑی بھلی لگتی رہی ہیں، کیونکہ وہ سب کچھ جو مغرب میں حلال اور جائز ہے اور 'ملاّ کے اسلام' میں حرام اور ممنوع ہے، وہ اگر 'مفکر قرآن' کی بارگاہ سے جائز اور حلال قرار پائیں اور قرآن کی سند بھی ہاتھ میں رہے تو اس سے بڑھ کر

www.KitaboSunnat.com

اسلام کو چھوڑ کر مسلمان بنے رہنے کا اچھا نسخہ کون سا ہوسکتا ہے۔ اس لئے حکمرانوں کے ساتھ 'مفکر قرآن' کی راہ و رسم کا ہونا عین قرین قیاس ہے، لیکن 'مفکر قرآن' کے حکمرانوں کے ساتھ اچھے تعلقات کا ہونا محض قیاس و گمان ہی کا تقاضا نہیں ہے بلکہ طلوعِ اسلام کے مشمولات بھی اسے امر واقعہ قرار دیتے ہیں:

''پرویز صاحب کے قائداعظمؒ سے لے کر ان تمام حضرات سے جو وقتاً فوقتاً صاحبِ اقتدار رہے، اچھے مراسم تھے، لیکن اُنہوں نے ان میں سے کسی سے بھی کوئی مفاد حاصل نہیں کیا، نہ کوئی منصب مانگا، نہ کوئی اعزاز طلب کیا، نہ کوئی فیکٹری الاٹ کرائی، نہ جاگیر حاصل کی۔''[۸۳]

فی الحال، اس بات کو نظر انداز کیجئے کہ اُنہوں نے اربابِ اقتدار سے کوئی مفاد حاصل کیا یا نہیں۔ صرف یہ دیکھئے کہ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ

''قیامِ پاکستان کے بعد ہمارے جو راہنما برسر اقتدار آتے رہے، ان میں سے قریب قریب ہر ایک کے ساتھ میری راہ و رسم تھی۔''[۸۴]

صرف یہی نہیں بلکہ اربابِ اقتدار کو وہ اپنے سالانہ کنونشنوں میں مدعو کیا کرتے تھے، اور حکومتی وزرا کرسیٔ صدارت پر جلوہ افروز ہوکر شریکِ کنونشن ہوا کرتے تھے۔ صرف ایک مثال ملاحظہ فرمائیے:

''طلوعِ اسلام کے کنونشن کے اجلاس، منعقدہ ۱۲ نومبر کی صدارت محترم المقام خواجہ شہاب الدین صاحب مرکزی وزیر اطلاعات ونشریات نے فرمائی۔''[۸۵]

اربابِ اقتدار سے استفادۂ پرویز

اب رہی یہ بات کہ 'مفکر قرآن' نے، اربابِ اقتدار سے اپنی 'قرآنی خدمات' کا کوئی اجر، کوئی معاوضہ اور کوئی مفاد حاصل نہیں کیا تو ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ بات مان لے کہ اُنہوں نے مادی طور پر (Materially) کوئی فائدہ نہ اُٹھایا ہو، لیکن اسے یہ بات ضرور ذہن نشین کرنی چاہئے کہ مفاد صرف وہی نہیں ہوتا، جو عہدہ، منصب، جاگیر یا فیکٹری ہی کی صورت میں

---

[۸۳] طلوع اسلام، جنوری ۱۹۷۴ء صفحہ ۲۳

[۸۴] طلوع اسلام، فروری ۱۹۷۸ء صفحہ ۵۶ + مارچ ۱۹۸۵ء صفحہ ۶۰

[۸۵] طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۶۷ء، صفحہ ۱۴

www.KitaboSunnat.com

حاصل کیا جائے۔ اس مفاد کی متنوع شکلیں ہیں جیسا کہ خود 'مفکر قرآن' فرمایا کرتے تھے:

''واضح رہے کہ دنیا میں مفاد صرف روپے کی شکل ہی میں نہیں ہوا کرتا۔ ذرا علم وفضل کی مسندوں، زہدو تقویٰ کے آستانوں اور رہبرانِ ملت کی بارگاہوں پر ایک سرسری نظر ڈالو، اور دیکھو کہ کس قدر متنوع شکلیں ہیں جن میں اپنی بے لوث خدمات کا معاوضہ طلب کیا جاتا ہے۔ نذرانہ نہیں تو مخدومیت اور اطاعت اور اطاعت بھی اکثر پرستش کی حد تک، کبر نفس کے تقاضوں کی تکمیل، أنا الموجود ولا غيري کے بلند آہنگ دعاوی، تنقید کی حد سے ماورائیت اور کم ازکم نام کی جھوٹی شہرت اور ان تمام داعیات واقتضاءات کے باوجود بلا مدد ومعاوضہ خدمت کا دعویٰ۔ کتنا بڑا فریب ہے جو اپنے آپ کو اور دوسروں کو دیا جاتا ہے۔''(۸۶)

اگر کوئی شخص صحافی کے مقام سے آگے بڑھ کر 'مفکر قرآن' کا روپ بھی دھار چکا ہو، تو جھوٹے الزامات کے ذریعہ اپنے مخالفین کو رسوا و بدنام کرنا، اَربابِ اقتدار سے اپنے ذاتی تعلقات کو اپنے حریفوں کے خلاف استعمال کرنا، ملکی سیاست میں پس پردہ رہ کر اپنی پسندیدہ تبدیلیاں لانا، اپنی صحافت کے آرگن کو ان گوشوں تک وسیع کرنا جن تک رسائی اَربابِ اقتدار سے راہ و رسم پیدا کئے بغیر ممکن ہی نہیں، دوسروں کے کارناموں کو اپنی ذات سے منسوب کرکے نام کی (جھوٹی) شہرت پانا، صرف اپنی ہی آواز کو صداے حق قرار دے کر یہ اعلان کرنا کہ ''آؤ لوگو! یہی سے نورِ خدا پاؤ گے۔'' یہ سب کچھ کیا ہیں؟ ارباب اقتدار سے تعلقات کی 'برکات' اور 'خالص قرآن' کی 'خدماتِ جلیلہ' کا بدلہ وصلہ ہی تو ہیں۔

ملکی سیاست میں کردارِ پرویز

آیئے، اب یہ دیکھیں کہ 'مفکر قرآن' صاحب ملکی سیاست میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں اگرچہ زبان سے وہ سیاست سے غیر متعلق یا غیر سیاسی شخصیت ہونے کے دعوے دار تھے اور یہ کہتے نہیں تھکتے تھے کہ ہماری جماعت:

''بزم طلوع اسلام، نہ کوئی مذہبی فرقہ ہے، نہ سیاسی پارٹی''(۸۷)

''میرا تعلق نہ کسی مذہبی فرقہ سے ہے، اور نہ کسی سیاسی پارٹی سے۔''(۸۸)

---

(۸۶) جوئے نور، صفحہ ۸۹

(۸۷) طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۹۷

(۸۸) طلوع اسلام، جولائی ۱۹۷۹ء، صفحہ ۳۹

www.KitaboSunnat.com

لیکن عملاً وہ جماعتی حیثیت سے نہیں بلکہ جماعتی لیبل سے ہٹ کر الیکشن میں ارکانِ بزم طلوعِ اسلام کو حصہ لینے کی ترغیب دیا کرتے تھے، اور جہاں کہیں ان کے مسلک انکارِ حدیث پر پردہ پڑا رہا، اور سادہ لوح مسلمانوں کے ہاتھوں ووٹ لے کر جیت گئے، وہاں اُنہیں بصد فرحت و ناز ہدیۂ تبریک پیش کیا گیا:

''اکثر مقامات سے یہ مسرت بخش اطلاعات موصول ہونی شروع ہوگئی ہیں کہ بزموں کے بعض ارکان یا طلوعِ اسلام کی قرآنی فکر سے دلچسپی لینے والے حضرات بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ ہم ان تمام احباب کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔''[89]

بزمِ طلوع اسلام کے پلیٹ فارم سے جماعتی حیثیت میں حصہ لینے کی صورت میں پرویز صاحب کو بھی اور وابستگانِ طلوع اسلام کو بھی یقین کامل تھا کہ مسلکِ انکار حدیث کے علمبردار ہونے کے باعث وہ اس معاشرے میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتے جو قرآن وسنت کی حجیت کا قائل ہے، لیکن دل ودماغ میں واقع اس اصل وجہ پر پردہ ڈالتے ہوئے وہ الیکشن میں بطورِ جماعت حصہ نہ لینے کی علت یہ بیان کیا کرتے تھے کہ چونکہ پاکستان میں رائج سیاست، میکیاولی سیاست ہے، اس لئے وابستگانِ طلوعِ اسلام جیسے 'بلند اخلاق اور پاکباز لوگ' عملی سیاست میں حصہ نہیں لے سکتے۔ چنانچہ اس سوال کے جواب میں کہ..... ''آپ عملی سیاست میں حصہ نہیں لیتے، اس کی کیا وجہ ہے؟''..... طلوع اسلام یہ کہتا ہے:

''اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دور میکیاولی سیاست کا ہے اور کوئی شخص قرآنی حدود میں رہتے ہوئے اس سیاست میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس میں کامیاب ہونے کے لئے جماعت اسلامی جیسی پالیسی اختیار کرنا ضروری ہوجاتا ہے، وہ پالیسی یہ ہے: ① زندگی کی بعض ضروریات کے لئے جھوٹ بولنا واجب ہوجاتا ہے ② ..... ③ ..... ہم سے یہ کچھ نہیں ہوسکتا۔''[90]

طلوعِ اسلام کی اس سخن سازی پر اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ ؎

اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھا، ذرا بند قبا دیکھ!

---

[89] طلوع اسلام، جنوری ۱۹۶۰ء، صفحہ ۱۵ [90] طلوع اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، صفحہ ۴۷

www.KitaboSunnat.com

رہا ان 'مطہر اور مقدس' ہستیوں کی قرآنی حدود کی پاسداری تو اس کی قلعی اس مقالہ میں بھی جگہ جگہ کھلتی نظر آتی ہے اور میری اس کتاب میں بھی جو ''جناب غلام احمد پرویز صاحب اپنے الفاظ کے آئینے میں'' کے نام سے چھپ چکی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وابستگانِ 'طلوعِ اسلام'، میکیاولی سیاست کے اس دور میں ''قرآنی حدود میں رہتے ہوئے کامیاب نہیں ہوسکتے'' تو کیا پھر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات میں کامیاب ہونے والوں نے ''جماعتِ اسلامی کی پالیسی اختیار کرکے'' کامیابی حاصل کی تھی؟ ؎

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں

لو آپ اپنے دام میں صیّاد آ گیا

۱۹۵۴ء کی مقنّنہ کے خاتمہ میں کردارِ پرویز

خواجہ ناظم الدین ایک شریف النفس سیاست دان تھے اور چاہتے تھے کہ ملک کو اسلامی خطوط پر چلایا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس مزاج کا آدمی طلوع اسلام (یا پرویز صاحب) کو طبعاً گوارا نہیں جس میں ایسی اسلامیت کی ذرا سی رمق بھی پائی جائے جو کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ سنتِ رسول اللہ ﷺ کو بھی دلیل ٹھہراتا ہو، پھر اس پر مستزاد یہ کہ اس کی وزارت میں مقنّنہ جو آئین بنا رہی تھی وہ بہرحال قرآن وسنت پر مبنی تھا۔ ایسے آئین سے بڑھ کر 'غلط اور خطرناک آئین' پرویز صاحب کی نگاہ میں اور کیا ہوسکتا تھا اور جو قانون ساز اسمبلی، ایسا آئین بنا رہی تھی اس کا وجود 'مفکرِ قرآن' کے لئے کیونکر قابل برداشت ہوسکتا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے اس وقت کے ہمہ مقتدر گورنر جنرل ملک غلام محمد کو مشورہ دیا کہ مقنّنہ میں قرآن وسنت کی بنیاد پر آئین سازی کا اب تک جو کام ہو چکا ہے، اسے کالعدم قرار دیا جائے اور صرف قرآن ہی کی بنیاد پر از سرنو دستور سازی شروع کی جائے۔

> ''کرنے کا کام یہ ہے کہ جو کچھ اس وقت تک اس جذبے کے ماتحت ہوا ہے، اس پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا جائے۔ ملک سے ایسے اربابِ فکر ونظر کو اکٹھا کرلیا جائے جو یہ بتا سکیں کہ دورِ حاضرہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے قرآن کون کون سے اُصول دیتا ہے اور ان اُصولوں کی روشنی میں فکرِ انسانی کے مطابق اپنا آئین مرتب کرلیا جائے۔''[۹۱]

---

(۹۱) طلوع اسلام، مئی ۱۹۵۳ء، صفحہ ۱۱

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ اس مشورہ کے بعد کیا ہوا؟

''ملک غلام محمد (مرحوم) نے پوری جرأتِ رندانہ سے کام لیا اور اکتوبر ۱۹۵۴ء میں مجلس دستور ساز کو برخاست کر دیا اور اس طرح مملکت کو تباہی سے بچالیا۔''[۹۲]

ظاہر ہے کہ اگر 'قرآن وسنت' پر مبنی دستور بن جاتا تو مملکتِ پاکستان 'تباہی' سے نہیں بچ سکتی تھی۔ ایک اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی، اور دوسرے اندھے نے اس 'سوجھ بوجھ' پر عمل پیرا ہوتے ہوئے 'مملکتِ پاکستان کو تباہی سے بچالیا'

پرویز صاحب کا معیار یہ تھا کہ ہر وہ حکمران جو علماے کرام کی ہم نوائی میں قرآن وسنت کا قائل ہو، ان کی نگاہ میں ناپسندیدہ بلکہ سخت مبغوض تھا۔ اس کے برعکس واہیات اور پتنگ بازی جیسی لغویات میں گہری دلچسپی رکھنے والا حکمران پرویز صاحب کی آنکھوں کا تارا تھا، بشرطیکہ وہ علماے کرام کا مخالف ہو۔ ملک غلام احمد ایسی ہی صفات کا مالک تھا، اس کا متقنّہ کو توڑ ڈالنا چونکہ خواہشِ پرویز کے مطابق تھا اور اس کی تقاریر بھی چونکہ 'طلوع اسلام' ہی کے خیالات کا چربہ ہوا کرتی تھیں (بلکہ شاید وہ پرویز صاحب ہی کی تحریر کردہ تھیں) اس لئے وہ قابل تعریف اور سزاوار ستائش تھا:

''وہ دبنگ قسم کے آدمی تھے، اس لئے اُنہوں نے یہ مخالفت کھلے بندوں کی۔''[۹۳]

دورِ ایوبی اور پرویز صاحب

رہا ایوبی دور تو اس میں بھی اربابِ اقتدار کے ساتھ بالعموم اور ایوب خاں کے ساتھ بالخصوص 'مفکر قرآن' صاحب کے گہرے تعلقات تھے۔ علماے کرام جب یہ کہتے کہ..... ''ہم قرآن وسنت کی بنیاد پر، طرزِ یثرب، پاکستان کی تعمیر کے خواہاں ہیں، کیونکہ وہی ریاستِ نبویہؐ ہمارے لئے نمونہ اور مثالی حیثیت رکھتی ہے۔''..... تو اس کے جواب میں ایوب خاں کہا کرتے تھے:

''ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے ملک کو تیرہ چودہ سو سال پیچھے دھکیل دیا جائے۔''[۹۴]

---

[۹۲] طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۸۰ء، صفحہ ۱۳

[۹۳] طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۸۰ء، صفحہ ۱۰

[۹۴] طلوع اسلام، جون ۱۹۷۴ء، صفحہ ۲۲

www.KitaboSunnat.com

ایوب خان دراصل ایسے اسلام کے قائل تھے جو مغربی تہذیب وتمدن کے معیار پر پورا اُترتا ہو، لیکن وہ مغربی تہذیب کے معیار کا برملا نام لینے کی جگہ 'وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے' کی گردان کیا کرتے تھے اور ان کی یہ اَدا پرویز صاحب اور طلوع اسلام کو بھا جاتی تھی، کیونکہ اصلاً یہ ان ہی کی اپنی ادا ہے۔

مالی اعانتِ پرویز از ایوب خاں

ایوب خاں طلوع اسلام کے لٹریچر سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور پرویز صاحب کی مالی اعانت بھی کیا کرتے تھے۔ اس مالی معاونت کا اعتراف دبے لفظوں میں طلوع اسلام میں بھی موجود ہے، خود پرویز صاحب فرماتے ہیں:

> ''صدر ایوب (مرحوم) سے میرے خاص روابط تھے، لیکن میں نے ان سے کبھی کچھ نہیں مانگا تھا (جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے) وہ میرے لٹریچر میں بڑی دلچسپی لیتے تھے (ایک آدھ بار ایسا بھی ہوا کہ اُنہیں میری کوئی کتاب خاص طور پر پسند آئی تو اُنہوں نے کہا ''میں چاہتا ہوں کہ اس کی اشاعت وسیع تر ہو، اس کے لئے میں اپنی طرف سے بطورِ اعانت کچھ پیش کرنا چاہتا ہوں۔'' اس سے زیادہ میں نے ان سے بھی، نہ کچھ لیا، نہ مانگا) اس میں البتہ ایک استثناء ہوئی۔''[۹۵]

صاحبِ اقتدار اور ایوان اقتدار سے یہ تعلق بجائے خود ایک 'عظیم مفاد' ہے۔

'طلوعِ اسلام' کا مطالعہ فوج میں لازم کیا گیا

ایک اور 'مفاد' کو بھی ملاحظہ فرمایئے۔ اس مفاد کا ثبوت ظاہر ہے کہ پرویز صاحب کی زندگی میں تو ممکن نہ تھا کہ طلوع اسلام میں شائع ہوجاتا، لہٰذا جب تک وہ زندہ رہے، حصولِ مفاد کا یہ ثبوت منظر عام پر نہ آسکا۔ لیکن مرگِ پرویز کے بعد، وابستگانِ طلوعِ اسلام، پرویز صاحب کی روایتی احتیاط کو ملحوظ نہ رکھ سکے اور میجر جنرل ...... کے قلم سے یہ ثبوت مجلّہ کے دامن میں بایں الفاظ ثبت ہوگیا:

> ''یہ شاید ۱۹۶۱ء کا ذکر ہے۔ پرویز صاحب میرے ہاں پنڈی آئے، اُنہیں فیلڈ مارشل ایوب خاں نے ملاقات کے لئے بلایا تھا۔ ایوب خاں کے کان میں بھی اس نئی سوچ کی بھنک پڑی،

---

[۹۵] طلوع اسلام، جنوری ۱۹۸۴ء، صفحہ ۴۷

www.KitaboSunnat.com

اُنہیں پسند آئی اور پھر اُنہوں نے چاہا کہ یہ سوچ دور دور تک پہنچنی چاہئے، چنانچہ مجھے یاد ہے کہ فوج میں ایک باقاعدہ مراسلہ آیا جس میں طلوعِ اسلام کی فکر کو سمجھنے اور عام کردینے کی ترغیب دی گئی تھی۔''[۹۶]

ایوب خاں کو جماعتِ اسلامی کے خلاف مشورۂ پرویز

'مفکرِ قرآن' جناب غلام احمد پرویز صاحب کو مولانا مودودیؒ اور جماعتِ اسلامی کے خلاف جو کینہ و کدورت، بغض و حسد، عداوت و عناد اور حقد و تعصب تھا، وہ ہر اُس شخص پر عیاں ہے جس نے سرسری طور پر بھی 'طلوعِ اسلام' کی فائل پر نظر ڈالی ہو۔ وہ جماعتِ اسلامی اور اس کے بانی کی مخالفت میں اس قدر پرجوش اور سرگرمِ عمل تھے کہ پاکستان بننے کے بعد شاید ہی 'طلوعِ اسلام' کا کوئی ایسا پرچہ ہو جس میں جماعت اور مولانا مودودیؒ کی بالواسطہ یا بلا واسطہ مخالفت نہ کی گئی ہو۔ وہ جماعت کو 'میکیاولی سیاست کے علمبردار' اور 'شریعت کے نقاب میں روباہ باز جماعت' کہا کرتے تھے اور اسے مرزائیوں سے بھی زیادہ خطرناک قرار دیا کرتے تھے، عداوت و مخالفت جماعت کی آگ، ان کے سینہ کی بھٹی میں ہر وقت بھڑکتی رہتی تھی۔ ان کا دماغ جماعت کے خلاف آتش غضب و عداوت میں ہر وقت کھولتا رہتا تھا۔ اس جماعت کے متعلق اگر 'مفکرِ قرآن' صاحب ایوب خاں جیسے ہمہ مقتدر حکمران کو مشورہ دیں تو وہ یقیناً کوئی خیرخواہانہ مشورہ نہیں ہوسکتا بلکہ بغض و عناد کے زہر میں بجھا ہوا ہی کوئی مشورہ ہوسکتا ہے اور یہ بات بہرحال ثابت ہے کہ جماعت اسلامی کے متعلق پرویز صاحب نے صدر ایوب خاں کو مشورہ دیا تھا.....

''قدرت اللہ شہاب جیسے لوگ جو ایوبی دور میں کلیدی حیثیت کے حامل تھے، بفضل خدا زندہ ہیں، ان کے حافظے میں یہ تو محفوظ ہے کہ اس دور میں پرویز صاحب نے جماعتِ اسلامی کے متعلق کیا مشورہ دیا تھا۔''[۹۷]

پھر یہ بات بھی ہر خاص و عام کو معلوم ہے کہ ایوبی دور میں جماعت اسلامی اور اس کے امیر شدید ابتلا و آزمایش میں سے گزرے تھے۔ حتیٰ کہ جماعتِ اسلامی کو سرکاری طور پر کالعدم

---

[۹۶] طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۸۵ء صفحہ ۴۴ [۹۷] طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۸۵ء صفحہ ۵۴

www.KitaboSunnat.com

قرار دے دیا گیا تھا جسے بعد میں سپریم کورٹ نے بحال کردیا۔ ایوبی حکومت کو جس کی پشت پر پرویز صاحب کے 'مفکرانہ مشورے' اور 'دانشورانہ تجاویز' اور 'بصیرت افروز' تدابیر بھی موجود تھیں، اس عدالتی جنگ میں شکست فاش ہوئی تھی۔ اسی ایوبی دور میں مولانا مودودیؒ کو سزاے جیل بھی دی گئی تھی۔

کیا اب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ پرویز صاحب نے اربابِ اقتدار سے اپنے روابط کے باعث کوئی مفاد نہیں اُٹھایا؟ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کے ہر صاحبِ اقتدار سے تعلق رہے ہیں۔ جاگیر و فیکٹری نہ لینے کے باوجود بھی وہ متنوع انداز میں اربابِ بست وکشاد سے متمتع ہوتے رہے ہیں۔ جلبِ منفعت کی صورت میں بھی اور اپنے مخالفین کے خلاف اپنے نفس حسد پرست کی تسکین کی صورت میں بھی۔

کرو خود اور الزام دوسروں پر لگاؤ!

لیکن اپنی خامی کو چھپانے کے لئے وہ اُلٹا الزام علماے کرام پر لگایا کرتے تھے کہ 'مذہبی پیشوائیت' اور 'اقتدار وملوکیت' میں ہمیشہ گٹھ جوڑ رہا کرتا ہے اور پھر اس گٹھ جوڑ کی تان یہاں آکر ٹوٹا کرتی تھی کہ...... ''پاکستان میں ملائیت کے منظّم ادارے کے سرخیل سید ابوالاعلیٰ مودودی ہیں'' ......اب اگر واقعی یہ حقیقت ہے کہ 'ملائیت' اپنے دور کی 'ملوکیت و اقتدار' کی حامی ہوتی ہے، تو پھر مولانا مودودیؒ اور جماعتِ اسلامی آخر کس قسم کی 'ملائیت' ہیں جو اربابِ حکومت اور اہل اقتدار کی حامی و ناصر ہونے کی بجائے ہر حکومت کے خلاف رہے ہیں۔ حقائق کی روشنی میں 'ملائیت' کا مصداق پاکستان میں تحریکِ طلوعِ اسلام سے بڑھ کر اور کون سی تحریک ہوسکتی ہے جس کے سرخیل نے اربابِ حکومت کی بہتی گنگا سے ہمیشہ ہاتھ دھوئے ہیں۔ ہر حکمران سے خوشگوار تعلقات استوار کئے رکھے ہیں۔ ہر سربراہِ پاکستان سے راہ و رسم برقرار رکھی ہے۔ مخفی دروازوں سے اربابِ حکومت کے ساتھ 'شریفانہ معاہدے' کرتے رہے ہیں۔ اربابِ اقتدار سے مالی اعانت وصول کرتے رہے ہیں۔ اپنے صحافتی آرگن کو، ان گوشوں تک پہنچاتے رہے ہیں جن تک پہنچنا اہل اقتدار کی آشیرباد کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اپنے فکری حریفوں کو نیچا دکھانے کے لئے اربابِ اقتدار کے ساتھ اپنے روابط کو استعمال کرتے رہے

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ اپنے مخالفین کے خلاف 'مرکزانِ ملت' کے ذریعہ وہ کچھ کرتے رہے ہیں جو ان کے نفس حسد پرست کی تسکین کا ذریعہ بن سکے۔

لیکن یہ سب کچھ کرڈالنے کے بعد ذرا اس دیدہ دلیری کو بھی ملاحظہ فرمایئے۔ جس کے ساتھ بڑی بلند آہنگی کے ساتھ یہ جھوٹ بھی بولا جاتا ہے کہ 'طلوع اسلام' اپنے خوے 'حق گوئی' کو قائم رکھنے کے لئے اقتدار کے ایوانوں سے دور رہا ہے:

''تشکیل پاکستان کے بعد بھی اُس نے اربابِ حل وعقد کو ہر دوراہے پر للکارا، اور اُنہیں قرآن کے تجویز کردہ صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دی۔ وہ ان کی بارگاہوں سے دور دور رہا تاکہ وہاں کی سحر انگیز فضائیں، اس کے جذبۂ حق گوئی و بے باکی کو نرم خیز نہ بنا دیں حتیٰ کہ یہ ملک کی عملی سیاسیات سے بھی کنارہ کش رہا۔''[۹۸]

'مفکر قرآن' کا کذبِ خالص

بعض اوقات 'مفکرِ قرآن' صاحب انتہائی متانت وسنجیدگی سے، از حد وقار وشائستگی، نہایت سلیقہ وقرینہ اور بکمال اعتماد و وثوق سے ایسا جھوٹ بولا کرتے تھے کہ ناواقف آدمی تو فوراً ہی اسے سچ سمجھ لیتا۔ مگر حقیقتِ حال سے شناسا شخص وقفِ حیرت واستعجاب ہوجاتا اور یہ سوچنے لگ جاتا کہ کتاب اللہ کا یہ 'مفسر' اور قرآنِ کریم کا یہ 'مفکر' کس قدر دیدہ دلیری اور دھڑلے سے جھوٹ بولتا ہے۔ اسے نہ آخرت میں اللہ کے ہاں اپنی جوابدہی کا احساس ہے اور نہ دنیا میں مخلوق ہی سے شرم وحیا کا پاس ہے۔ پھر وہ محض بولتا ہی نہیں کہ الفاظ کے پھاگ، ہوا میں تحلیل ہوجائیں اور اس جھوٹ کا نام ونشان ماسوائے اس کے اپنے نامہ اعمال کے کہیں باقی نہ رہے، بلکہ اسے ضبط میں لاکر صفحۂ قرطاس پر محفوظ بھی کرڈالتا ہے۔ 'مفکر قرآن' صاحب کے ایسے اکاذیب و اباطیل یوں تو ہر عنوان اور ہر پہلو سے موجود ہیں، لیکن یہاں موضوع کی مناسبت سے ان کا ایسا جھوٹ پیش کیا جارہا ہے جو قطعی بے اصل، بے بنیاد اور بے حقیقت ہے اور جس میں صداقت کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہیں پایا جاتا۔

'مذہبی پیشوائیت' کے ظالمانہ اور مستبدانہ اقتدار کی قباحت وشناعت کی نہایت گھناؤنی تصویر

---

[۹۸] طلوع اسلام، جنوری ۱۹۷۱ء، صفحہ ۸

www.KitaboSunnat.com

پیش کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''جس زمانے میں ہماری مذہبی پیشوائیت ذی اقتدار تھی، مسئلہ تقدیر کے ضمن میں خونِ مسلم کی جس قدر ارزانی ہوئی اور باہم قتل و غارت گری اس فتنۂ ارتداد کو دبانے کے لئے روا رکھی گئی، اس کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔''(۹۹)

اب معلوم نہیں کہ 'مفکر قرآن' صاحب اگر زندہ ہوتے تو ان سوالات کا کیا جواب دیتے کہ مذہبی پیشوائیت کس دور میں 'ذی اقتدار' تھی؟ کس سرزمین میں 'ذی اقتدار' تھی؟ وہ کون سی تھیا کریٹک شخصیت تھی جو 'ذی اقتدار' تھی؟ مذہبی پیشوائیت کے 'ذی اقتدار' ہونے کا سن وسال کیا تھا؟ اور اُس 'ملا' کا نام کیا تھا جو 'ذی اقتدار' تھا؟

حقیقت یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ سے لے کر دورِ حاضر تک کبھی کوئی عالم دین، کوئی مفسر قرآن، کوئی محدثِ ذی شان اور کوئی فقیہ عالی مقام، کسی مقام پر کبھی بھی 'ذی اقتدار' نہیں رہا۔ یہ صرف 'مفکر قرآن' کا اپنا خود ساختہ جھوٹ ہے جس کی کوئی تائید، مسلمان کی تاریخ کی کسی گری پڑی کتاب سے بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ ہم اس کذبِ خالص کا نرا جھوٹ ہونا، طلوعِ اسلام ہی کے اوراق سے پیش کئے دیتے ہیں تاکہ اس دروغ بے فروغ پر ایمان لانے والے اس تحریر کے آئینے میں 'مفکر قرآن' کا سراپا ملاحظہ فرما سکیں:

''چودہ صدیوں میں کبھی بھی مسلمانوں نے مولویوں کے ہاتھ میں حکومت نہیں دی۔ اس لئے کہ وہ حکومت چلانے کی ضروری تربیت سے محروم تھے۔''(۱۰۰)

اس سے اندازہ لگائیے کہ یہ 'مفکرِ قرآن' جھوٹ بولنے میں کس قدر جری اور جارح واقع ہوئے ہیں۔ نازیوں کے گوئبلز بھلا ہمارے اس 'قرآنی گوئبلز' کا کیا مقابلہ کرسکتے ہیں؟

مذہبی پیشوائیت ہے کیا؟

اب اس کے بعد یہ بھی دیکھ لیجئے کہ مذہبی پیشوائیت کی تعریف (Definition) بیان کرنے میں وہ کس طرح دور کی کوڑی لاتے رہے ہیں۔ چونکہ یہ اصطلاح ان کی اپنی خود ساختہ تھی، اس لئے اس کی تعریف بھی ان ہی کے نہاں خانۂ دماغ کی پیداوار تھی۔ چونکہ ان کے دماغ میں ہر آن خیالات و گمانات کی نئی لہریں اُٹھتی رہتی تھیں، اس لئے یہ تعریفات بھی ہر

(۹۹) طلوع اسلام، نومبر ۱۹۸۱ء، صفحہ ۴۷ (۱۰۰) طلوع اسلام، اگست ۱۹۸۱ء، صفحہ ۲۹

www.KitaboSunnat.com

جدید لہر کے ساتھ بدل جایا کرتی تھیں۔

پھر یہ تعریفات کسی بے لاگ تجزیہ کے بعد علمی تحقیق پر مبنی نہیں ہوا کرتی تھیں، بلکہ یہ کسی 'مُلّا' یا اس کے حلیہ یا اس کے طرزِ عمل کے ردعمل پر موقوف ہوا کرتی تھیں۔ علمائے کرام چونکہ اتباعِ سنتِ نبویؐ میں داڑھی رکھنے کے عادی ہیں، اس لئے ایسے باریش علما کا کسی ایک جگہ اس طرح مجلس منعقد کرنا کہ اس میں کوئی بے ریش فرد نہ ہو، 'مفکر قرآن' کے نزدیک 'پریسٹ ہڈ' قرار پاتا تھا۔ چنانچہ اسلامی دستور کے خاکہ کی تیاری میں اکتیس علما کا جو اجتماع کراچی میں منعقد ہوا تھا، اس کے 'پریسٹ ہڈ' ہونے کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس میں کوئی ایک فرد بھی بے ریش نہ تھا، سب کے سب داڑھی والے تھے:

''خود ان اکتیس علما کی فہرست کو اُٹھا کر دیکھئے جنہوں نے کراچی میں اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کیا تھا، اور جو آج کل دستور سے متعلق تنقیدی بحث کے لئے پھر کراچی میں جمع ہوئے ہیں۔ کئی لوگ ایسے ہیں جن کے پاس کسی دینی درس گاہ کی باضابطہ سند نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود وہ دین میں Authority کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس اس فہرست میں کسی ایک داڑھی منڈے کا بھی نام نہیں ہے 'پریسٹ ہڈ'۔''①

ایک اور مقام پر ملائیت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''ملائیت کے معنی یہ ہیں کہ دین کے احکام کے لئے، نظامِ اسلامی کے مرکز کی طرف رجوع کرنے کی بجائے، افراد کی طرف رجوع کیا جائے اور یہ حق نمائندگانِ ملت کو نہ دیا جائے، بلکہ دوسرے افراد کو دیا جائے کہ وہ ملت کے لئے شریعت کا قانون مرتب کریں، یہ ہے پیشوائیت یا ملائیت۔''②

اب ظاہر ہے کہ ملائیت کے بالمقابل 'قرآنیت' یہ ہے کہ

''احکام دین کے لئے قرآن سے استنباط و استخراج کیا جائے اور یہ کاوش بھی انفرادی نہیں بلکہ نمائندگانِ ملت کی اجتماعی کاوش ہوگی۔''③

تین قابل غور اُمور

یہاں تین باتیں قابل غور ہیں:

① طلوع اسلام، فروری ۱۹۵۳ء، صفحہ ۱۷ ② طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۵۳ء، صفحہ ۳۶

③ خلاصۂ عبارت ماخوذ از طلوع اسلام، مئی ۱۹۵۲ء، صفحہ ۵۹ + اکتوبر ۱۹۵۳ء، صفحہ ۲۳

www.KitaboSunnat.com

اولاً ...... یہ کہ اسلامی زندگی کے احکام کا مصدر و مخرج، تنہا قرآن نہیں بلکہ قرآن وسنت دونوں ہیں۔ عہدِ نبویؐ اور خلافتِ راشدہ میں جو اسلامی حکومت قائم تھی، اس کا آئین و دستور بھی تنہا قرآن نہیں بلکہ قرآن کے ساتھ سنتِ رسولؐ بھی تھا جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے واضح ہے۔ یاد رہے کہ یہ اقتباس ایک کٹر منکر حدیث اسلم جیراجپوری صاحب کا ہے جو 'مفکر قرآن' صاحب کے استاد تھے اور جس کتاب سے یہ اقتباس ماخوذ ہے، وہ طلوعِ اسلام ہی کے ایک ادارہ میزان پبلی کیشنز کی شائع شدہ ہے:

''خلافتِ راشدہ میں تشریع کی بنیاد قرآن اور سنت پر تھی۔ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آجاتا جس کے بارے میں کوئی صریح حکم ان دونوں میں نہ ملتا تو امثال اور نظائر سے قیاس کرکے اس کا حکم نکالتے تھے۔ خلیفہ استنباطِ مسائل میں دیگر علما ومجتہدین سے کوئی خاص امتیاز نہیں رکھتا تھا بلکہ اکثر خود ان سے سوال کرتا یا اپنے اجتہاد میں مدد لیتا تھا۔ اگر کسی امر میں سب لوگ متفق ہوجاتے تو اس کا اتباع لازمی ہوجاتا۔ اسی کو اصطلاحِ فقہ میں اجماع کہتے ہیں اور اگر باہم اختلاف ہوتا تو خلیفہ ان میں سے کسی صورت کو ترجیح دے کر اس کے مطابق حکم دیتا تھا۔ الغرض خلیفہ کو کوئی تشریعی اختیار یا کوئی اس قسم کی دینی ریاست حاصل نہ تھی کہ وہ جو چاہے حکم دے دے، وہی مذہبی مسئلہ قرار پا جائے بلکہ وہ احکام دینی کو صرف نافذ کرنے کا مجاز تھا۔''[۴]

لہٰذا پہلی بات تو یہی غلط ہے کہ خلافت راشدہ میں قوانین واحکام کا سرچشمہ صرف قرآن تھا اور سنتِ رسول ماخذ اسلام نہ تھی۔

ثانیاً ......خلافتِ فاروقی میں عرب و ایران اور عراق ومصر پر پھیلی ہوئی وسیع وعریض مملکت میں لوگوں کے لئے یہ بات نہ تو عملاً ممکن ہی تھی اور نہ ضروری ہی تھی کہ اپنے ہر مسئلے کے حل کے لئے وہ 'مرکز ملت' کی طرف رجوع کرتے اور وہاں سے 'نمائندگان ملت کے اجتماعی اجتہاد' پر مبنی فیصلہ پاکر واپس لوٹتے۔ لامحالہ صورت حال یہی تھی کہ ہر جگہ کے لوگ اس عالم ہی کی طرف رجوع کرتے تھے جو علم وتقویٰ، فہم وفراست، درک وبصیرت اور اجتہاد واستنباط میں دوسروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ ایسے صاحبِ علم وفضیلت لوگوں کو حضرت عمرؓ مختلف اَمصار و دیار میں معلم بنا کر بھیجا کرتے تھے تاکہ وہ عامۃ الناس کو قرآن وسنت کی تعلیم دیں۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنی

[۴] تاریخ الامت، ج ۲ ص ۲۵۷

www.KitaboSunnat.com

شہادت کے وقت اللہ کو اپنے جن اعمال پر شاہد بنایا تھا ان میں ایک تعلیمِ سنتِ رسولؐ کا عمل بھی تھا:

قال اللهم إني أشهدك على أمراء الأمصار فإني إنما بعثتهم ليعلموا الناس دينهم وسنة نبيهم..... ⑤

''(عمرؓ نے) کہا ''خدایا! میں تجھ کو ملکوں کے حکام پر گواہ ٹھہراتا ہوں کہ میں نے ان کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کو ان کا دین اور ان کے نبی کی سنت سکھائیں.....''

اگر کسی جگہ کا حکمران دینی بصیرت کے اعتبار سے یا سیرت کے لحاظ سے ان اصحابِ علم وتفقہ سے کمتر ہوتا، تب بھی عقل اسے باور کرنے سے گریز کرتی ہے کہ صاحبِ معاملہ، فہم وفراست والے علما کو چھوڑ کر اُسی خام بصیرت حکمران ہی سے اپنے مسائل کا شرعی حل دریافت کرتا۔ محض اس لئے کہ حکمران ہی 'نمائندگانِ ملت کے اجتماع' پر مبنی شرعی حکم دینے کا مجاز تھا اور علما کا شرعی مسئلہ بتانا، اوّلاً انفرادی حیثیت سے ہوتا۔ ثانیاً 'قرآنیت' کے مخالف ہوتا، ثالثاً 'ملائیت' کے مطابق ہوتا۔ مثلاً حضرت عثمانؓ کے عہدِ حکومت میں کوفہ کا گورنر ولید بن عقبہ بن ابی معیط تھا جو علم وعمل کے اعتبار سے اسی مقام پر موجود حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے بلند پایہ صاحبِ علم وفضل اصحابِ رسولؐ سے بہت فروتر تھا، ایسی صورت میں:

''وہاں اگر کسی کو کوئی اہم معاملہ پیش آتا ہوگا تو وہ اس معاملہ کے متعلق شریعت کا حکم پوچھنے کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود، سعد بن ابی وقاص یا ابوموسیٰ اشعری جیسے صحابۂ کبار کی طرف رجوع کرتا ہوگا یا ولید بن عقبہ کی طرف؟ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے کوئی شخص ولید بن عقبہ کی طرف نہیں جاتا تھا بلکہ سب مسلمان ان عظیم المرتبہ حضرت صحابہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔'' ⑥

حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ تینوں جلیل القدر صحابہؓ جنہوں نے براہِ راست قرآن حضور ﷺ سے سیکھا تھا، قرآن کا اتنا فہم بھی نہیں رکھتے تھے جتنا ہمارے 'مفکر قرآن' صاحب کو حاصل ہے، اور وہ ہر آنے والے کو اس کے ہر معاملے کا حکم شریعت 'انفرادی طور پر' بتاتے رہے، حالانکہ نہ وہ 'مرکز ملت' تھے، اور نہ ہی 'نمائندگانِ اُمت' تھے اور کبھی کسی پوچھنے والے کو یہ نہیں کہا کہ ''..... بھائی! 'قرآنی حکومت' میں، میں انفرادی اجتہاد کے ذریعہ تمہیں حکم شریعت

⑤ ابن سعد، ج ۳، ق اوّل، صفحہ ۲۴۳ ⑥ طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۵۳ء، صفحہ ۳۰

www.KitaboSunnat.com

نہیں بتا سکتا۔ تمہیں میرے پاس آنے کی بجائے، خلیفۂ ثالث کے پاس جانا چاہئے جو 'مرکز ملت' کی حیثیت سے آج کا 'اللہ اور رسول' ہے، کیونکہ وہی 'نمائندگان ملت کے اجتماعی اجتہاد' کے ذریعہ تمہیں حکم شریعت بتانے کا مجاز ہے" ...... اور اس پر مستزاد استعجاب بالائے استعجاب یہ امر ہے کہ لوگ بھی ان 'ملاؤں' کی 'مذہبی پیشوائیت' کو قبول کئے ہوئے تھے اور کسی بھی 'مفکر قرآن' نے اُس دور میں ان رفیع المرتبت صحابہ کرام کو یہ نہیں بتایا کہ

"مذہبی پیشوائیت کا تصور ہی قرآن وسنت کے خلاف ہے۔"⑦

اب ایک طرف تو یہ کچھ کہا جاتا ہے اور دوسری طرف بڑے دھڑلے سے خلافتِ راشدہ کی خوبی ہی یہ بتائی جاتی ہے کہ

"نبی اکرم ﷺ اور خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں مذہبی پیشوائیت کا نام تک نہیں ملتا۔"⑧

اس اقتباس میں مذہبی پیشوائیت کے وجود کی نفی عہدِ رسالت مآب اور خلافتِ راشدہ دونوں کے اَدوار میں کی گئی، لیکن 'مفکر قرآن' نے ایک اور جگہ عہد نبوی میں غیر متعدی 'مذہبی پیشوائیت' کے وجود کا یہ کہہ کر انکشاف کیا ہے کہ

"اس وقت جو کچھ اسلام کے نام سے پیش کیا جاتا ہے، اسے قرآن کے ترازو میں تول کر دیکھ لیا جائے۔ جو کچھ اس پر پورا اُترے، اسے صحیح سمجھ کر اختیار کرلیا جائے اور جو کچھ غلط ثابت ہو اسے مسترد کردیا جائے۔ لیکن مذہبی پیشوائیت نہ نزولِ قرآن کے زمانہ میں اس کے لئے آمادہ ہوئی تھی نہ اب آمادہ ہوگی۔"⑨

رہا خلافتِ راشدہ کا دور تو دین ودنیا میں تفریق وثنویت کا دروازہ (جس کے نتیجہ میں 'ملائیت' اور 'ملوکیت' پیدا ہوئی) کھلا ہی دورِ عثمانی میں تھا جس کا حوالہ مع اقتباس آگے آرہا ہے۔

ثالثاً ...... یہ کہ ہمارے 'مفکر قرآن' کا اپنا طرزِ عمل بھی 'خلافِ قرآن' تھا اور ملائیت کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ وہ خود نہ تو پاکستان میں ملتِ اسلامیہ کے 'مرکزِ ملت' تھے اور نہ ہی یکے از 'نمائندگانِ ملت' تھے۔ وہ اس کے باوجود اپنے 'انفرادی اجتہاد' ہی سے لوگوں کو ان کے پیش آمدہ مسائل کا شرعی حکم بتایا کرتے تھے۔ اس مقصد کے لئے اُنہوں نے طلوع اسلام میں 'باب

⑦ خلاصۂ عبارت، طلوع اسلام، اپریل ۱۹۵۹ء، صفحہ ۱۲ ⑧ طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۷ء، صفحہ ۳۲

⑨ طلوع اسلام، اگست ۱۹۷۳ء، صفحہ ۳۵

www.KitaboSunnat.com

المراسلات' کا ایک مستقل عنوان قائم کررکھا تھا تاکہ ان کے مسائل و مشکلات کا شرعی حل (اپنے انفرادی اجتہاد) سے دے سکیں۔ اُنہوں نے کبھی کسی سائل اور مستفسر کو یہ نہیں کہا کہ میاں! میں نہ تو 'مرکز ِملت' ہی ہوں اور نہ ہی ملت ِاسلامیہ کا 'نمائندہ' ہوں۔ لہٰذا میں اپنے 'انفرادی قیاس و اجتہاد' کی بنا پرتمہارے مسائل کا شرعی حل پیش کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ اگر میں ایسا کروں تو یہ 'ملائیت' ہوگی، 'قرآنیت' نہیں ہوگی۔ لہٰذا ہم سب کے لئے شرعی طرزِ عمل صرف یہی ہے کہ 'مرکز ملت' کو وجود میں لانے کی جان توڑ جدوجہد کریں اور جب تک یہ نہیں ہوتا، اس وقت تک تمہارے مسائل کے شرعی حل بھی اور خود قرآنِ کریم بھی معطل رہیں گے۔

کیا ستم ظریفی ہے کہ اگر 'مفکر قرآن' صاحب نکاح و طلاق، وراثت و وصیت، نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ، قربانی و اضاحی، معیشت و معاشرت، سیاست و عمرانیات، مزارعت و مخابرت، حدود و تعزیرات اور عدلیہ و انتظامیہ وغیرہ کے متعلق اُمور پر قلم کشی کرتے جائیں تو ان سب کا مجموعہ 'قرآنی فیصلے' قرار پاتے ہیں۔ لیکن اگر فقہاے کرام قرآن وسنت کی بنیاد پر تدبر و تفکر فرمائیں اور اپنے نتائجِ فکر کو قلم بند کریں تو یہ 'مذہبی پیشوائیت' کا 'عجمی اسلام' قرار پائے۔

خلاصۂ بحث

الغرض حقائق کی روشنی میں اگر بے لاگ تحقیق کی جائے تو 'ملائیت' کا ادارہ طلوعِ اسلام کا ادارہ ہے، نہ کہ دیگر دینی جماعتیں۔ اس لئے کہ اقتدارِ وقت کے ساتھ 'ملی بھگت' اور راہ و رسم کا رویہ اوّل الذکر ہی نے اپنائے رکھا ہے نہ کہ مؤخر الذکر نے۔ اور اس لئے بھی کہ اگر 'مفکر قرآن' کے نزدیک 'ملائیت' اس چیز کا نام ہے کہ ...... دین کے احکام جاننے کے لئے نظامِ اسلامی کے مرکز کی طرف رجوع کرنے کی بجائے افراد کی طرف رجوع کیا جائے اور یہ حق نمائندگانِ ملت کو نہ دیا جائے بلکہ دوسرے افراد کو دیا جائے کہ ملت کے لئے شریعت کا قانون مرتب کریں، تب بھی 'مفکر قرآن' خود ایسا کرنے کی بنا پر 'ملائیت' کے مصداق قرار پاتے ہیں۔ لیکن ''کرو خود، مگر الزام دوسروں پر لگاؤ'' کی پالیسی کے تحت 'ملائیت'، 'مذہبی پیشوائیت' 'پریسٹ ہڈ' اور 'تھیا کریسی' کی اصطلاحات کی آڑ میں وہ نشانہ علماے کرام، محدثین عظام اور مفسرین و مجتہدین کو بناتے رہے ہیں۔ میرے نزدیک اس کی تین وجوہ ہیں:

www.KitaboSunnat.com

اولاً...... یہ کہ قرآن وسنت پر اساس پذیر جس دین کے علماے کرام علمبردار ہیں وہ دین چونکہ 'مفکر قرآن' صاحب کے اس مذہب سے کلی منافات رکھتا ہے جس کے معاشی نظام کو اشتراکیت سے اور معاشرتی طور طریقوں کو تہذیبِ مغرب سے قرآنِ کریم کے جعلی پرمٹ پر درآمد کیا گیا ہے۔ اس لئے قرآن وسنت پر مبنی اسلام کی مخالفت کے لئے 'ملا' اور 'ملائیت' کی اصطلاحات وضع کی گئی ہیں تاکہ اسلامی شعائر اور دینی ثقافت کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانے کے لئے ان اصطلاحی الفاظ سے پردے کا کام لیا جائے اور کھلے عام دین اور اسلام کا نام لے کر اسے مطعون کرنے کی بجائے 'ملائیت' کی آڑ میں اسے نشانہ بنایا جاسکے۔

ثانیاً...... یہ کہ 'مصلحت' اور 'حسن تدبیر' کا بھی یہی تقاضا تھا کہ براہِ راست اسلام اور اس کے مبادیات ومبانی اور اس کے ثقافتی علامات وآثار کو نشانہ نہ بنایا جائے تاکہ مسلمان، مشتعل نہ ہونے پائیں۔ اس لئے اسلام سے تنفر اور گریز پیدا کرنے کے لئے حکمتِ عملی یہ اپنائی گئی کہ اس کی ایک ایک چیز کو مطعون تو کیا جائے، لیکن اسلام کے نام پر نہیں بلکہ 'ملائیت' کے نام پر ایسا کیا جائے۔

ثالثاً...... یہ کہ چونکہ قرآن وسنت پر مبنی اسلام کے علمبردار علماے کرام ہیں۔ اس لئے عامۃ الناس کو ان سے برگشتہ کرنے کے لئے جس اصطلاح کو کارگر سمجھا گیا، وہ 'ملا' کی اصطلاح تھی۔ اس لفظ میں سارے جہاں کی نفرتوں کو سمیٹ کر اسے ہر اس عالم دین پر چسپاں کردیا گیا جو پرویزی نظریات کا مخالف اور قرآن وسنت کا شیدائی ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی یہ پراپیگنڈہ کیا گیا کہ 'ملا' قرآن سے جاہل، کتاب اللہ کا منکر، فہم وفراست سے عاری، عقل ودانش کا دشمن اور تقاضاے وقت سے نابلد ہے اور کبھی دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے، اس لفظ کو کسی گندی اور گھناؤنی صفت کا موصوف بنا کر مرکبِ توصیفی کی صورت میں پیش کیا گیا۔ مثلاً کوڑھ مغز ملا وغیرہ۔ پھر اس لفظ (ملا) کی کمان سے جو تیر اندازی کی جاتی ہے، اس کا نشانہ اور ہدف صرف دورِ حاضر کے علماے کرام ہی نہیں بنتے ہیں بلکہ سلف وخلف کے جملہ اکابرین تک اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان بن عفانؓ بھی اس تیرافگنی کا شکار ہوجاتے ہیں، کیونکہ دین ودنیا کی تفریق اور ثنویت کے نتیجہ میں 'ملائیت' کی جو عمارت آج منکرینِ حدیث کو دکھائی دے رہی ہے اس کی پہلی اینٹ اُنہوں

www.KitaboSunnat.com

نے ہی رکھی تھی۔ کب؟ جب (بقول پرویز صاحب) صحابہ کرامؓ کو اُنہوں نے مدینہ سے باہر جانے کی کھلی چھٹی دے دی تھی اور وہ مختلف شہروں میں گھومتے پھرتے تھے:

''اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روز مرہ کے معاملات کے متعلق لوگ صحابہؓ کی بیان کردہ روایات کو معمولی بہانا بنانے لگ گئے اور نمائندگانِ حکومت کے فیصلوں کا دائرہ سمٹتے سمٹتے انہی اُمور تک محدود ہوکر رہ گیا جن کا تعلق سلطنت کے انتظامی اُمور سے تھا۔ اس سے نہ صرف اجتماعیت کی جگہ انفرادیت ہی آ گئی، بلکہ اس سے دین و دنیا کی ثنویت کی پہلی اینٹ بھی رکھی گئی جس نے آگے چل کر وہ تباہی پیدا کی جس سے مسلمان اس وقت تک نہیں پنپ سکا۔''(۱۰)

حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے فردِ اعمال میں ہمارے 'مفکر قرآن' صاحب یہ جرمِ بے گناہی صرف اس لئے ڈال رہے ہیں کہ اپنا 'اُلو' سیدھا کرسکیں اور ایسا کرنے کے لئے اُنہیں کبھی بھی مسخ حقائق ،تقلیبِ اُمور یا تنکیسِ واقعات میں دریغ نہیں ہوا۔ خلافت ِراشدہ کے بعد دین و دنیا میں جس ثنویت کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے، وہ کسی مفسر قرآن ، محدثِ ذی اکرام، فقیہِ ذی شان یا عالم دین کی پیدا کردہ نہیں تھی بلکہ اس دور کے 'مرکز انِ ملت' کی ایجاد تھی۔ لیکن پھر بھی علماے کرام پورے اسلام کو بلا کم و کاست پیش کرتے رہے ہیں اور اُمت مسلمہ میں مرورِ ایام کے ساتھ جو مسائل بھی پیدا ہوئے وہ اُنہیں مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ قرآن وسنت کی بنیاد پر حل کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ زمانہ نے کروٹ بدلی اور امت میں روحِ اجتہاد اور جذبۂ جہاد سرد پڑتا چلا گیا۔ شاید یہ صدیوں کی حکومت کے بعد تھک کر سو جانے کا نتیجہ تھا اور جب یہ غفلت کے ماتے، نیند سے بیدار ہوئے تو مسیحی یورپ سیف و قلم کے ساتھ عالم اسلام پر دھاوا بول رہا تھا اور مسلمانوں کی بستیاں پے در پے کفار کے قبضہ میں جارہی تھیں۔ مغرب کی غالب اور مستولی اقوام اپنے مقبوضات میں اپنی تہذیب و معاشرت اور اپنا فکر و فلسفہ رائج کرنے کے لئے نظامِ تعلیم کے ساتھ ساتھ پورا نظامِ حیات لے کر آئے تھے جس کے نتیجہ میں مفتوح اقوام کے خیالات اور طبائع میں عظیم الشان انقلاب واقع ہوا۔ جدید تعلیم اور جدید تہذیب نے اسلام اور اس کے اُصول وقوانین میں قرآن اور اس کی تعلیمات، سنتِ رسولؐ اور اس کی ہدایات میں شکوک وشبہات پیدا کردیئے جو قلب و روح میں بے چینی کا سبب بننے کے ساتھ ساتھ ایمان وعمل میں بھی اضمحلال کا باعث بن گئے۔

---

(۱۰) طلوع اسلام، اکتوبر۱۹۵۳ء، صفحہ ۳۰

www.KitaboSunnat.com

اس صورتِ حال میں ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے جو عقلیت کا بڑا دعویدار ہے، ایک ایسی روش اختیار کی جو سراسر عقل کے خلاف ہے۔ اس روش پر چلتے ہوئے، اس میں ایسے متناقض اُصول جمع ہوگئے ہیں جن کے مجموعہ کو عقلیت سے موسوم کرنا عقلیت کو بے عقلیت کا ہم معنی بنا دینا ہے۔ عقلیت کا اوّلین اور بنیادی اصول یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں بھی کوئی رائے بلاتحقیق قائم نہ کی جائے اور تحقیق کا معنی یہ ہے کہ انسان دوسروں کی جیب میں اپنے ایمان ڈال کر ان کی اندھی تقلید کرنے کی بجائے خود اپنی سعی و کاوش سے حقیقت کا سراغ لگائے اور جس مسئلہ کی حقیقت وہ معلوم کرنا چاہتا ہے اس کی بابت زیادہ سے زیادہ صحیح اور معتبر ذرائع سے معلومات فراہم کرکے ان سے بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ پھر ایک صاحب عقل و دانش محقق کی شان یہ ہے کہ ① نہ وہ وہم و گمان اور شک و شبہ پر اپنی رائے کی بنیاد رکھتا ہے اور ② نہ ہی وہ دوسروں کی عبارات میں اپنے ہی خیالات کو پڑھنے کا خوگر بنتا ہے اور ③ نہ ہی وہ یہ بددیانتی کرتا ہے کہ اپنے مخالفین کو مطعون کرنے کی خاطر ان کے قوی دلائل سے صرفِ نظر کرکے کمزور باتوں کو زورِ آزمائی کے لئے تلاش کرتا ہے، اور ④ نہ ہی وہ چند سنی سنائی باتوں اور چند کتابوں کے سرسری مطالعہ سے سطحی معلومات حاصل کرکے ان پر اعتماد کرتے ہوئے رائے قائم کرتا ہے۔

لیکن ہمارے دور کے علمبرداران عقلیت اور عقل و دانش کی بنیاد پر قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کے دعویدار ان تمام رذائل و معائب میں مبتلا ہیں۔ یہ لوگ عقلیت کے نام پر بلا تحقیق، سرسری اور سطحی معلومات پر اپنی رائے قائم کرکے، اُنہیں بلا تکلف شائع کرڈالتے ہیں تاکہ اپنے شکوک و شبہات کو دوسروں تک متعدی کردیں اس مقصد کے لئے خیانت و بددیانتی، دجل وفریب اور کذب وافترا کے حربے استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔

ہمارے تعلیم یافتہ طبقے میں سے پرویزی گروہ کا اصل مرض یہ ہے کہ وہ 'تعلیم بلا معلّم'، 'کتاب بدونِ پیغمبر' اور 'قرآن بغیر محمدؐ' کا نرالا مسلک ایجاد کرتے ہیں اور کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے باہمی تعلق کو کاٹ پھینکتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہدایت ونجات کے لئے صرف کتاب اللہ ہی کافی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے براہِ راست لوگوں تک پہنچانے کی بجائے یہ فعل عبث کیا کہ اسے نبی کے واسطہ سے پہنچا دیا اور پھر دوسری غلطی (معاذ اللہ) خداے قدوس نے یہ کی

www.KitaboSunnat.com

کہ اقوال وافعال رسول پر مشتمل اُسوۂ رسولؐ کی پیروی کے 'اَغلال و اِصر' میں لوگوں کو جکڑ دیا۔

اب چاہئے تو یہ تھا کہ یہ برخود غلط لوگ اپنی کوتاہی کو محسوس کرتے جو مغرب کی ذہنی غلامی کے باعث حقیقت دین سے بے بہرہ ہونے کے باعث پیدا ہوئی تھی، لیکن اُنہوں نے اپنی غلط روش پر برقرار رہتے ہوئے کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ یا بالفاظِ دیگر قرآن وسنت کے باہمی تعلق کو نظر انداز کر دیا۔ علوم حدیث کا خود تحقیقی مطالعہ کرنے کی بجائے مستشرقین کی اندھی تقلید پر اعتماد کیا، احادیث کو پرکھنے اور اس سے اخذِ مسائل کے طریقوں کو جاننے کی رتی بھر کوشش نہیں کی، کتبِ احادیث کا مطالعہ اس ذہنیت کے ساتھ کیا جس کے ساتھ عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجی تحریکوں نے کبھی قرآن کا مطالعہ کیا تھا۔ فقہ کے مآخذ اور اس کے اُصولوں کو معلوم کرنے کے لئے معمولی اور قلیل وقت بھی صرف نہیں کیا، مگر حال یہ ہے کہ ناقص اور غیر معتبر معلومات کی بنا پر یہ لوگ خود مجتہدِ مطلق بن کر ایک رائے قائم کرتے ہیں اور پھر بڑے فاضلانہ طمطراق کے ساتھ ایک ایسا مضمون تحریر فرماتے ہیں جس کی ابتدا مولوی پر سب وشتم اور انتہا اپنے اعلانِ اجتہاد وتفقہ پر ہوتی ہے۔

ان کے مضامین پڑھنے سے یہ حقیقت واشگاف ہوجاتی ہے کہ جن اُمور پر یہ لوگ بحث کرتے ہیں، ان کی ابجد تک سے ناواقف ہیں، لیکن اپنے جہل و بے علمی پر پردہ ڈالنے کے لئے حربہ یہ اختیار کرتے ہیں کہ اپنے فکری مخالفین کے خلاف طعن وتشنیع کا ایسا شور مچا دیا جائے کہ عامۃ الناس کی نگاہیں ان کے علمی اِفلاس کی طرف متوجہ ہی نہ ہو پائیں۔ اس امر کی بہترین مثال 'مفکر قرآن' جناب چوہدری غلام احمد پرویز کی ذات میں پائی جاتی ہے جو اگرچہ مستشرقین کی اندھی تقلید میں طعن بر حدیث کے سلسلہ میں ان ہی کی چچوڑی ہوئی ہڈیوں کو جب اپنے منہ سے اُگلتے ہیں تو اُنہیں 'دلائل' کا نام دیتے ہیں، حالانکہ خود 'مفکر قرآن' صاحب فنِ حدیث کی ابجد تک سے ناواقف ہوتے ہیں۔ گولڈ زیہر اور شاخت وغیرہ نے تو ممکن ہے کہ اعتراض ڈھونڈنے کے لئے احادیث کا کچھ نہ کچھ مطالعہ کیا ہو، لیکن ہمارے 'مفکر قرآن' صاحب کو اس فن کے بارے میں اتنا بھی مطالعہ نہیں ہے کہ مبادیاتِ فن ہی سے شناسا ہوں۔ علم حدیث کی بالکل ابتدائی اصطلاحات تک سے قطعی ناواقف اور مطلق بے خبر تھے اور یہ تک نہیں جانتے تھے کہ ضعیف حدیث کسے کہتے ہیں اور اپنی جہالت کی بنا پر وہ 'ضعیف حدیث' کا معنی 'غلط حدیث'

www.KitaboSunnat.com

سمجھتے تھے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے (بقولِ طلوع اسلام) یہ فرمایا تھا کہ

''ایک ضعیف حدیث، اگر کسی مضمون کے بیان کرنے میں منفرد ہو تو اس کے ضعفِ سند کی بنا پر اس کا حکم بھی ضعیف ہو جاتا ہے، لیکن اگر متعدد ضعیف احادیث ایک مضمون کے بیان کرنے میں متفق ہوں تو چاہے ان میں سے ہر ایک فرداً فرداً بلحاظِ اسناد کتنی ہی ضعیف ہو، ان کا مشترک مضمون قوی ہو جاتا ہے۔''(۱۱)

'مفکرِ قرآن' نے اگر واقعی علم حدیث کا (تحقیقی نہ سہی) سرسری مطالعہ ہی کیا ہوتا، تو اُنہیں معلوم ہو جاتا کہ ضعیف حدیث کا معنی 'غلط حدیث' نہیں ہے بلکہ وہ حدیث مراد ہے جس میں صحیح حدیث کی شرائطِ خمسہ میں سے بعض شرائط مفقود ہوں۔ لفظ ضعیف کا سادہ مدلول ہی یہ واضح کر دیتا ہے کہ اس کا مفہوم 'کمزور' ہونا ہے، نہ کہ 'غلط' ہونا۔ لیکن منکرین حدیث کا یہ 'علامہ و فہامہ مفکرِ قرآن' ضعیف حدیث کو غلط حدیث کا ہم معنی قرار دیتے ہوئے اپنے جاہل قارئین اور اندھے مقلدین کے سامنے مولانا مودودیؒ کے بیان کردہ اُصولِ حدیث پر یوں تبصرہ اور نکتہ آرائی کرتا ہے:

''غور فرمایا آپ نے اس اُصول پر کہ غلط بات، اگر ایک جگہ لکھی ہوئی ملے تو وہ غلط ہوتی ہے، لیکن اگر وہ دس جگہ لکھی ہوئی ہو تو اسے صحیح سمجھنا چاہیے۔''(۱۲)

اس 'علامہ دہر' کی فن حدیث کے بارے میں علمی بے بضاعتی کی یہی وہ حالت ہے جس کے باعث وہ احساسِ کمتری کا شکار تھے، اور جو اُنہیں اس امر پر مجبور کرتی رہی ہے کہ وہ اپنے علمی افلاس کی کسر کو پورا کرنے کے لئے اپنے مخالفین کے خلاف طعن و تشنیع اور استہزاء و تضحیک کی کثرت سے کام لیں۔ 'طلوعِ اسلام' اور پرویز صاحب کی اس نفسیات کو جناب افتخار احمد بلخی مرحوم نے بایں الفاظ خود واضح کیا ہے:

''رہی تیسری خدمت یعنی ذوقِ دشنام طرازی کی تسکین اور اس کے مقتضیات سے عہدہ برآ ہونے اور اخلاقی بضاعت کے افلاس پر فریب و ریاء کے پردے ڈالے جانے کی خاطر جو گالیوں کو باضابطہ ایک 'فن شریف' بنا کر پیش کئے جانے کی صورت میں پوری سرگرمی کے ساتھ انجام دی جا رہی ہے، وہ دراصل اس دورِ ترقی و تجدد کا ایک مرض ہے جس کے متواتر و پیہم دورے پڑتے رہتے ہیں۔ اس مرض کو آپ 'مالی خولیا' کے نام سے یاد کر سکتے ہیں۔ اس مرض کی علت وہ احساسِ کمتری ہے جو تحت الشعور میں جاگزیں ہے یا کتاب وسنت میں درک

www.KitaboSunnat.com

وبصیرت کے فقدان کا ایک ردعمل ہے جو اس شکل میں ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے۔'' (۱۳)

ذوقِ دشنام طرازی کو ایک فن بنا کر طعن وتشنیع، طنز واستہزا اور تضحیک کی وہ تیسری خدمت ہے جو تقسیم کار کے اُصول سے اس ادارہ (طلوعِ اسلام) نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ چنانچہ کتاب کے ساتھ سنت کو بھی دینی حیثیت باور کرنے والے دین دار طبقہ اور اسلام اور شعائر اسلام کی توہین وتذلیل کی خاطر جو ایک اصطلاح 'ملا اور ملائیت' کی وضع کی گئی ہے، اس اصطلاح کی آڑ میں دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے، اس فن دشنام طرازی کی بے محابا نمائشیں کی جاتی ہیں:

''یہ تیسری خدمت اس لئے بھی پوری دلچسپی کے ساتھ ایک مہم کے انداز میں انجام دی جارہی ہے کہ اخلاقی بضاعت کے افلاس پر فریب وریا کے پردے ڈالے جائیں، اور احساسِ کمتری کے جو یہ حضرات شکار ہیں تو اس باب میں تسکینِ خاطر کے کچھ سامان فراہم ہوسکیں۔

اس کے علاوہ علم وفن میں اپنی ناپختہ کاری کی پردہ پوشی بھی اس تیسری خدمت کے پس پردہ مطلوب ہے۔'' (۱۴)

اب رہا قرآن جسے پیغمبر قرآن سے منقطع کرکے ہتھیایا گیا ہے تو اس کی تشریع وتوضیح اور تفسیر وتفصیل اس 'عقل عیار' کی روشنی میں کی گئی ہے جو مغربی علمیات کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہے، اور جسے 'مفکر قرآن' صاحب اپنی 'قرآنی بصیرت' کہا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے نام سے اُنہوں نے جو کچھ بھی پیش کیا ہے، وہ فرنگی معاشرت اور مارکسی اشتراکیت میں بغیر کسی قرآن کے پہلے سے ہی موجود ہے۔ ان دونوں مآخذ سے کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑہ لے کر 'مفکرِ قرآن' صاحب نے ، بھان متی کا وہ کنبہ جوڑا ہے جسے وہ 'قرآنی اسلام' کہا کرتے تھے۔ قرآن کے نام پر متفرق اجزاے کفر کو مشرف بالاسلام کرنا ان کی وہ 'عربی سازش' ہے جسے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رکھنے کے لئے 'عجمی سازش' کے پراپیگنڈے کی ڈھول اُڑائی جاتی ہے۔

---

⑪ ترجمان القرآن، جنوری ۱۹۶۰ء، صفحہ ۲۴ بحوالہ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۶۰ء، صفحہ ۷۰

⑫ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۶۰ء، صفحہ ۷۰

⑬ فتنۂ انکار حدیث کا منظر وپس منظر، حصہ سوم، صفحہ ۲۹

⑭ فتنۂ انکار حدیث کا منظر وپس منظر، حصہ سوم، صفحہ ۴۴۰

www.KitaboSunnat.com

تصویر وطن

حافظ حسن مدنی

ملکی حالات، امریکی دھمکی اور اس کے مضمرات

پاکستان میں حالات کچھ اس تیزی سے تبدیل ہورہے ہیں کہ ہر لمحے صورتحال گھمبیر تر ہوتی چلی جارہی ہے۔ گذشتہ صرف ایک ماہ کے دوران چند ایسے غیر معمولی واقعات پاکستان میں رونما ہوئے ہیں جن کے نتائج جہاں انتہائی دور رَس ہیں، وہاں مستقبل پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔ اس سے پہلے بھی وطن عزیز میں ایسے رجحان ساز واقعات کا ایک طویل تسلسل ہے جس سے صورتحال اس مرحلے تک آ پہنچی ہے کہ آج ہم بحیثیتِ قوم اپنے آپ کو سنگین مسائل سے دوچار پاتے ہیں۔ ماضی قریب میں بلوچ سرداروں کے قتل، حدود قوانین کی معطّلی اور ۱۲ مئی کو کراچی میں ہونے والی ہلاکتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ماہِ رواں میں پیش آنے والے اہم ترین مسائل کا ایک عبوری جائزہ لیا جانا چاہئے۔

❶ ۱۰ر جولائی ۲۰۰۷ء پاکستان کی تاریخ کا سیاہ ترین دن ہے جس دن ظلم و سفاکی کا بدترین مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان سے شوکتِ اسلام کا جنازہ نکال دیا گیا۔ اس کاروائی کے ذریعے اسلامی احکام پر عمل کرنے والوں کو حکومتی سرپرستی میں ہر ممکنہ جارحیت کا پیغام دیا گیا اور مغرب کے لبرل نظریات پر یقین رکھنے اور اس پر عمل کرنے والوں کو پوری تائید کے ساتھ ہر طرح کی پوری چھوٹ دے دی گئی۔ حکومتِ وقت کی نظر میں فحاشی اور بے راہ روی کے مرتکب تو تحفظ و تائید کے مستحق ٹھہرے اور ان کے خلاف ایک حرفِ مذمت یا معمولی سی کاروائی بھی دیکھنے میں نہ آئی لیکن قرآن کو پڑھنے اور نفاذِ اسلام کا مطالبہ کرنے والوں سے ایسا سلوک کیا گیا کہ آج بھی قرآن کے اوراق، شہید ہونے والوں کے اعضا، معصوم طالبات کی اوڑھنیاں اور برقعے اسلام آباد کے کوڑے اور گندے نالوں میں بکھرے نظر آتے ہیں۔ سینکڑوں خواتین اور بچوں کو شہید کرتے ہوئے نہ صرف ہر اخلاقی ضابطہ کو پامال کردیا گیا بلکہ اسلام کی محکم ہدایات اور عالمی قوانین کو بھی پس پشت ڈال دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے تو کفار کی عورتوں، بچوں اور عبادتگاہوں کو جنگ میں تحفظ دینے کی تلقین کی ہے، یہاں ان مقدس ہدایاتِ نبویؐ کو

www.KitaboSunnat.com

بھی پرکاہ کی اہمیت نہیں دی گئی۔ آج تک ان شہید ہونے والوں کے خون سے اسلام آباد کی فضا بوجھل اور سوگوار ہے اور مستقبل میں بھی شہدا کے خون کی یہ خوشبو ایک عرصہ تک اسلام آباد کی فضا میں رچی بسی رہے گی۔ اس سانحہ پر ہر پاکستانی کا دل غم واندوہ سے بوجھل ہے کیونکہ یہ ایک قوم کے بعض افراد کی ہی دوسروں پر طاقت آزمائی کی ایک المناک مثال ہے۔ مرنے اور مارنے والے دونوں ایک ہی دھرتی کے سپوت اور ایک ہی قوم کے فرزند ہیں۔

جنرل مشرف نے اس واقعہ سے چند روز پہلے میڈیا سے کہا تھا کہ اگر میڈیا لاشیں نہ دکھائے تو اس معاملہ کو بڑی آسانی سے حل کیا جاسکتا ہے لیکن میڈیا نے یہ بات تلقین وترغیب سے نہ مانی تو حکومتی احکامات کے بل بوتے پر میڈیا کو جائے سانحہ سے میلوں دور کردیا گیا۔ اور آج تین ہفتے گزر جانے کے بعد بھی اس واقعہ کے حقائق مخفی ہیں جو امریکہ کے مطابق آئندہ بھی پردۂ خفا میں ہی رہیں گے۔ اقتدار پر براجمان قوتوں نے تو جن محرکات کے تحت اس سنگ دلانہ 'آپریشن سائلنس' کے احکامات صادر کئے، ان سے آہستہ آہستہ پردہ اُٹھتا ہی رہے گا، البتہ اُن مسلمان فوجیوں کی غیرتِ ایمانی اور حمیتِ دینی پر بھی حیرت ہے کہ اُنہوں نے کس شقاوت سے اپنی سنگینوں کا نشانہ ان پردہ دار طالبات کو بنایا جن کی جھلک بھی کسی غیر مرد نے نہ دیکھی ہوگی۔ باپردہ خواتین کا تو آج بھی مسلم معاشرے میں غیر معمولی احترام کیا جاتا ہے اور ان کو دیکھنے والی بے باک نظریں بھی آخر کار جھک جانے پر مجبور ہوجاتی ہیں لیکن جارحیت کرنے والوں کو اس کا کوئی خیال آڑے آیا اور نہ ہی ان درو دیوار کی بے حرمتی کا جنہیں خانوادۂ رسول ﷺ کی محترم خواتینؓ سے منسوب کیا گیا تھا۔ اس آپریشن کے ذریعے قوم اور اس کے محافظوں میں خون کی ایک لکیر کھینچ دی گئی جس کے اثرات انتہائی مہلک ہوں گے۔

اس بارے میں دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ یہ سانحہ انتہائی المناک ہے جس کے اس سے بہتر کئی اور حل بھی ہوسکتے تھے۔ لیکن ۱۱ جولائی کو وزیراعظم اور ۱۲ جولائی کو وزیر داخلہ کے بیانات سے ہر بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ اوّل الذکر کے مطابق آپریشن ۶ ماہ پہلے سے طے تھا اور وزیر داخلہ کے مطابق مدرسہ کو شہید کرنا ہمارے بنیادی اَہداف میں شامل تھا، حتیٰ کہ صدر بش نے بھی اپنی تقریر میں کہا کہ لال مسجد ہمارے ایجنڈے پر موجود تھی۔ چنانچہ ۲۴/ جولائی کو عوام کے پرزور احتجاج کے باوجود جامعہ حفصہ کی وسیع وعریض عمارت کو کلی طور پر مسمار کردیا گیا۔ ابھی

☆ فرمانِ نبویؐ «لاَ تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَلاَ طِفْلًا وَلاَ صَغِيرًا وَلاَ امْرَأَةً» (صحیح سنن ابوداود: ۲۶۱۴)

www.KitaboSunnat.com

تک نہ صرف کئی افراد لاپتہ ہیں اور ان کے والدین ان کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں بلکہ سپریم کورٹ کے احکامات کے باوجود زخمیوں سے بھی ان کے اہل خانہ کو ملنے نہیں دیا جارہا۔ ان والدین کی کیا کیفیت ہوگی جو اپنے جگر گوشوں کی تلاش میں دربدر کی خاک چھان رہے ہیں، اور ابھی تک اُنہیں اس کا بھی علم نہیں کہ وہ کسی ہسپتال میں زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار ہے یا گولیوں کا نشانہ بن کر آخرت کو سدھار چکا ہے؟ ان زخمیوں تک میڈیا کو آج بھی رسائی کی اجازت حاصل نہیں ہے۔ معاشرے میں اس واقعے کے حوالے سے شدید غم وغصہ پایا جاتا ہے اور لوگوں کو ایک ہزار سے زائد طلبہ وطالبات کی شہادت کا یقین ہے۔ قاضی حسین احمد نے اس المناک موقع پر قومی اسمبلی میں اپنی رکنیت سے استعفیٰ دیتے ہوئے تمام گم شدگان کی بازیابی کا ذمہ دار مشرف حکومت کو قرار دیا ہے اور وفاق المدارس نے صدر سمیت اہم حکومتی ذمہ داروں کے خلاف سپریم کورٹ میں قتل عام کی درخواست دائر کردی ہے۔

انتہائی افسوس کا مقام یہ ہے کہ یہ واقعہ ایک ایسے ملک میں ہوا جو اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا، اسلام کے نام سے قائم شہر 'اسلام آباد' کی قدیم مرکزی مسجد میں ہوا، اس فوج کے ہاتھوں ہوا جس کا ماٹو ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس حکومت کے آرڈر پر ہوا جس کا سب سے عالی منصب اس شخص کو حاصل ہے جو اپنے آپ کو 'سید زادہ' قرار دیتا ہے۔ لیکن یہ تمام مناسبتیں ان لوگوں کے کوئی کام نہ آسکیں جن کا نعرہ 'ملک میں اسلامی نظام کا قیام' اور 'معاشرے سے برائیوں کا خاتمہ' اور 'فحاشی کا قلع قمع' کرنا تھا۔

اس المناک سانحے کا ردّعمل ہے کہ آج پوری پاکستانی قوم بدترین ہلاکت ودہشت گردی کی آگ میں سلگ رہی ہے۔ جمعہ ۲۷ جولائی کو لال مسجد میں پہلی بار نمازِ جمعہ کے موقع پر اسلام آباد میں جس طرح ایک بار پھر خانہ جنگی اور ہلاکت وبربادی کی کیفیت دیکھنے میں آئی اور قوم کے نگہبان اور قانون کے محافظ جس طرح بربریت کا نشانہ بنے، اس پر ہر پاکستانی کا دل شدید رنج واَلم سے دوچار ہے۔ معاشرے سے امن وامان کا بھرم اُٹھ چکا ہے اور کوئی بھی شہری اگر کسی دہشت گردی کا شکار ہو تو معلوم نہیں کہ اس شہری کو ہی خودکش حملہ آور قرار دے کر اس کے پس ماندگان کو ہمدردی کے بجائے مزید ظلم واذیت کا نشانہ بنا دیا جائے۔

❷ ۲۰/ جولائی کو ۱۳ ججوں پر مشتمل سپریم کورٹ کے فل بنچ نے چیف جسٹس کی غیر فعالیت

www.KitaboSunnat.com

کے احکامات اور ان کے خلاف حکومتی الزامات کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے اُنہیں اپنے عہدے پر بحال کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ بحال کئے جانے والے چیف جسٹس آف پاکستان کا قصور یہ تھا کہ وہ اپنے منصب کو سنبھالنے کے بعد سے مختلف اہم معاملات پر از خود سینکڑوں نوٹس لے چکے تھے۔ اُنہوں نے نہ صرف بلوچستان کے مسئلے پر نوٹس لیا، ملکی خزانے کی خرد برد مثلاً سٹیل مل کے اونے پونے داموں فروخت پر نوٹس لیا بلکہ لاپتہ افراد کی تفصیلات جاری کرنے کے بارے میں بھی سرکار کو احکامات صادر کئے اور حکومت کی ان کے خلاف حقیقی فردِ جرم اور ریفرنس یہی ہے۔ ان کی جبری رخصت کے خلاف وکلا برادری نے جس طرح متحد ہو کر عدل وانصاف کے ایوانوں کا وقار بحال کرنے کی کوشش کی، یہ پاکستان کی تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے۔ ان کی جدوجہد فقید المثال اور عدیم النظیر رہی جس میں مثالی اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے وکلا نے غیر معمولی کردار پیش کیا، چنانچہ ان کی جدوجہد کامیابی سے ہم کنار ہوئی جس کے اچھے ثمرات مستقبل قریب میں قوم کو ضرور حاصل ہوتے رہیں گے۔

❸ جولائی کا پورا مہینہ وطن عزیز شدید دہشت گردی کی لپیٹ میں رہا۔ ۱۹ جولائی تک صورتحال یہ تھی کہ ۱۴ روز میں ۱۵ سے زائد بم دھماکے اور دہشت گردی کے واقعات رونما ہو چکے تھے جن میں ہلاک ہونے والے پاکستانیوں کی تعداد سینکڑوں میں رہی۔ ۱۹ جولائی کا دن دہشت گردی کے حوالے سے بدترین رہا جس روز تین دھماکے: حب، کوہاٹ اور ہنگو میں ہوئے اور ۵۸ سے زائد معصوم لوگ شہید ہو گئے۔ اس سے قبل ۱۵ جولائی کو بھی سوات اور ڈیرہ اسماعیل خاں میں بھی تین حملوں میں ۳۱ اہل کاروں سمیت ۵۲ افراد جاں بحق ہوئے اور ۱۰۰ کے قریب زخمی ہو گئے۔ جولائی کے مہینے میں ہلاکتوں اور تشدد کے واقعات اتنی کثرت سے ہوئے کہ بعض سیاستدانوں نے پاکستان کو عراق جیسے جنگ کے شکار ملک سے تشبیہ دی۔

صدر مشرف نے تو حسبِ معمول اسے انتہا پسندوں اور اعتدال پسندوں کی جنگ قرار دے کر مزعومہ انتہا پسندی کے خلاف قوم کو کھڑے ہونے اور ڈٹ جانے کی تلقین کی، البتہ دیگر قومی رہنماؤں نے اس موقعہ پر غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے اسے بیرونی سازش قرار دیا۔ اس موقع پر حکومت نے ملک کے معتمد علماے کرام سے ملاقات کر کے ان سے خودکش بم دھماکوں کی حرمت کا فتویٰ بھی حاصل کیا جس سے حکومت کے رجحان کا علم تو ہو جاتا ہے کہ وہ دراصل راسخ العقیدہ مسلمانوں کو ہی ان دھماکوں کا مجرم باور کرانا چاہتی ہے۔ جبکہ اسلام آباد میں وکلا کے

www.KitaboSunnat.com

جلوس میں ۱۷ جولائی کو ہونے والے حملے اور کوہاٹ کی مسجد میں نمازِ عشا کے موقع پر ہونے والے دھماکوں سے بخوبی علم ہوجاتا ہے کہ جامعہ حفصہ کے ردِعمل کی آڑ میں ملک دشمن قوتیں یا دیگر ذرائع اس موقع پر دہشت گردی کی فضا پیدا کرکے مذموم اہداف حاصل کرنا چاہتے ہیں اور باعمل مسلمانوں کو دہشت گرد باور کرکے ان کے خلاف عوامی فضا کو حکومت کے حق میں سازگار کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اسلام آباد میں چیف جسٹس کے خطاب کے موقعہ پر وکلا کو دھماکہ کے ذریعے منتشر کرکے حکومت کے خلاف ان کی تحریک کو متاثر کرنا، ایسے ہی کوہاٹ میں ۱۹ جولائی کو نماز پڑھنے والے فوجیوں پر دورانِ نماز حملہ کا ملزم مذہبی طبقہ کو قرار دینا بالکل بعیداز قیاس ہے۔ علاوہ ازیں بلوچستان میں جانے والے قافلے جس میں چینی انجینئر زبھی موجود تھے، پر حملہ کرنے کا واضح مقصد بھی پاکستان کو اپنے دوستوں کی حمایت سے محروم کرنا ہے۔ یاد رہے کہ چینی باشندوں پر پاکستان میں ہونے والی جارحیت اور اس پر چین کی حکومت کے ردّ عمل کو عالمی میڈیا غیر معمولی طور پر بڑھا چڑھا کر اور تکرار سے پیش کررہا ہے۔

دہشت گردی کے ان واقعات سے دنیا بھر میں پاکستان کا تاثر ایک ایسے ملک کے طور پر اُبھرا جہاں امن وسکون نام کی کوئی شے موجود نہیں اور ملک خانہ جنگی اور ہلاکت خیز تباہی سے دوچار ہے۔ ایک ایٹمی قوت کے دارالحکومت کے عین قلب میں فوج کو ایک مسجد کے مقابلے میں صف آرا دکھا کر دنیا بھر کو کیا پیغام دیا گیا ہے اور اس پیغام کے فوائد کون حاصل کررہا ہے اور اس کے نقصانات کس کو برداشت کرنا ہوں گے؟ یہ تمام باتیں انتہائی توجہ طلب ہیں!

❹ قوم کو جامعہ حفصہ کے دردانگیز سانحہ سے دوچار ہونے کے چند روز بعد یہ خبر ملی کہ وزیرستان اور اس سے ملحقہ علاقوں کے عمائدین نے حکومت سے ہونے والے معاہدہ کو منسوخ کردیا ہے۔ پاکستانی قوم پہلے ہی ان سنگین حالات سے دوچار تھی، اس کے ساتھ ساتھ یہ خبر جو معمولی نہیں تھی، درحقیقت ایک نئے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، اخبارات کے مطابق:

''شمالی وزیرستان میں طالبان نے معاہدہ ختم اور گوریلا جنگ شروع کرنے کا اعلان کردیا۔ ستمبر ۲۰۰۶ء میں ہونے والے اس معاہدہ میں غیر ملکیوں کو علاقے سے نکالنے اور افغانستان آنے جانے پر پابندی کو قبول کیا گیا تھا جس کے جواب میں حکومت نے زمینی اور فضائی آپریشن بند کرنے، قبضہ میں لیا ہوا سامان اور مراعات واپس کرنے کی یقین دہانی کرائی تھی۔ عبداللہ فرہاد نے معاہدہ ختم کرنے کی وجہ رزمک اور دتہ خیل میں فوجی آپریشن کرنے اور دیگر شرائط مثلاً

www.KitaboSunnat.com

معاوضہ ادا کرنے اور فوجی چوکیاں وغیرہ ہٹانے کی حکومتی خلاف ورزیوں کی بنا پر معاہدہ کو منسوخ قرار دے دیا۔'' (روزنامہ ایکسپریس، ۱۶ جولائی ۲۰۰۷ء، صفحہ اوّل)

یوں تو اس معاہدے کے خاتمے میں شرائط کو نظرانداز کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن درحقیقت اس معاہدہ کے خاتمہ میں لال مسجد پر ہونے والی جارحیت کا ایک اہم کردار ہے۔ کیونکہ ۲۰۰۴ء میں لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز نے قبائلی علاقوں پر حکومتی کاروائیوں کی مذمت کی اور اس کے لئے لال مسجد کے پلیٹ فارم کو استعمال کیا تھا، اس وقت پہلی بار لال مسجد اور حکومتی حلقوں میں باہمی تناؤ اور ناراضگی کی لہر پیدا ہوئی۔ اس بات پر معاہدہ وزیرستان کی منسوخی کی تواریخ بھی گواہ ہیں۔ لال مسجد کا سانحہ جہاں مسلمانوں کے خلاف جاری جارحیت اور افغانستان میں امریکہ کی تائید پر ردّعمل کے نتیجے میں پیدا ہوا، وہاں قبائلی علاقوں کے موجودہ حالات اور ان میں جاری جنگ اسی رنج وغم کا اظہار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہمند ایجنسی میں عظیم مجاہدِ آزادی حاجی ترنگزئی کی قبر کے قریب واقع مسجد کو انہی دنوں لال مسجد کا نام دے کر وہاں برسرپیکار مسلمانوں نے جامعہ حفصہ اُمّ حسان کے نام سے عظیم مدرسہ قائم کرنے کے عزم کا بھی اظہار کردیا ہے۔ (اداریہ نوائے وقت: ۳۱/ جولائی)

ماضی میں تسلسل سے رونما ہونے والی ان تبدیلیوں کو ذہن میں رکھیں اور دوسری طرف صرف جولائی کے مہینے میں ہونے والے اقدامات کو بھی تازہ رکھتے ہوئے پاکستان کو اس ماہ کے اَواخر میں جس نئے مسئلہ کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس نے ملکی سلامتی اور قومی خودمختاری کے قضیے کو سلگا دیا ہے۔ اس مسئلہ کی جڑیں اس داستانِ وفا سے ملتی ہیں جس کا آغاز امریکی صدر بش نے نائن الیون کے بعد صدر پرویز مشرف کے بھرپور تعاون سے دہشت گردی کے خلاف مشترکہ جدوجہد کی شکل میں کیا تھا۔ بش انتظامیہ نے امریکی مفادات کے لئے پاکستانی حکومت کے والہانہ اقدامات کا صلہ ایسی صورت میں پیش کردیا ہے جس کے بعد جہاں پاک امریکہ دوستی کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے، وہاں امریکہ کے عزائم اور رجحانات بھی طشت از بام ہوگئے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ دنوں صدر بش نے اپنے خطاب میں پاکستان پر یہ الزام عائد کرتے ہوئے کہ پاکستان کے سرحدی علاقوں میں اُسامہ بن لادن زندہ موجود ہیں، یہ قرار دیا ہے کہ اگر امریکہ میں کسی بھی مقام پر دہشت گردی کی کوئی کاروائی ہوتی ہے تو امریکہ پاکستان کے ان

www.KitaboSunnat.com

علاقوں پر حملہ کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرے گا۔

۱۵/ جولائی کی خبر یہ تھی کہ امریکہ کو اپنی سلامتی کے لئے جہاں کہیں بھی حملہ کرنا پڑا تو اس سے قطعاً گریز نہیں کیا جائے گا۔ادھر برطانوی حکومت نے بھی پاکستان کے دینی مدارس پر ایک بار پھر دہشت گردی کا الزام عائد کرتے ہوئے اسے القاعدہ کے کارکنوں کی بھرتی کے مراکز قرار دیا ہے۔۲۷/ جولائی کے اخبارات میں ایک بار پھر امریکی نائب وزیر خارجہ کی یہ دھمکی جلی سرخیوں سے شائع ہوئی ہے کہ پاکستان کے اندر کاروائی کرنے کا آپشن برقرار رہے گا۔

دوسری طرف صدر بش کے بالمقابل ڈیموکریٹک پارٹی کے صدارتی اُمیدوار بارک اوباما نے بھی قرار دیا ہے کہ ''اصل میدانِ جنگ عراق نہیں، پاکستان ہے۔امریکہ وہاں القاعدہ پر بلا جھجک حملے کرے۔ اگر وہ صدر منتخب ہوگئے تو عراق سے فوجیں نکال کر حقیقی میدانِ جنگ پاکستان بھیجیں گے، اس سلسلے میں اسلام آباد کے کسی احتجاج کی کوئی پرواہ نہیں کی جائے گی۔ پاکستان کو ہرصورت دہشت گردی کا خاتمہ کرنا ہوگا، وگرنہ وہ امریکی امداد کے خاتمے اور حملے کے لئے تیار رہیں۔'' گویا پاکستان پر حملے کے بارے میں صدر بش کی ری پبلکن پارٹی اوران کے مقابل ڈیموکریٹک پارٹی دونوں میں اتفاقِ رائے پایا جاتا ہے جو امریکی عوام اور دانشوروں کی متفقہ رائے کا غماز ہے، اوراس کی مخالفت کرنے والا عہدۂ صدارت حاصل نہیں کرسکتا!!

امریکہ کے اس نئے رجحان کے بعد جہاں پاکستان ایک بار پھر عالمی طور پر شدید مشکلات کا سامنا کررہا ہے، وہاں پاکستان کو اس مرحلے پر پہنچانے والے صدر مشرف بھی اپنے غاصبانہ اقتدار کے مشکل ترین ایام سے گزر رہے ہیں۔ یوں تو حکومت نے فوری طور پر ملکی خودمختاری کے اظہار کے لئے اس نوعیت کے امریکی بیانات پر شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے اُسے قومی اُمور میں دخل اندازی قرار دیا ہے اور بعض ذرائع کے مطابق اپنی فوج کو مداخلت کرنے والوں کو روکنے کے احکامات صادر کئے ہیں لیکن تجزیہ نگاروں کے مطابق پاکستانی حکومت کا سفارتی ردّعمل توقع اور ضرورت سے انتہائی کم ہے۔

امریکی دھمکی کا مقصد اور ہدف

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ صدر مشرف ان دنوں ہمہ نوعیت کے چیلنجوں کا سامنا کررہے ہیں اور وہ اپنے عرصۂ اقتدار کی کمزورترین پوزیشن پر پہنچ چکے ہیں۔ گاہے بگاہے تبدیلیوں اوراپنے ساتھیوں پر تنقید کے ساتھ ساتھ وہ ان اِمکانات پر بھی غور کررہے ہیں کہ اگر

www.KitaboSunnat.com

اُنہیں اقتدار سے محروم کردیا گیا تو وہ کیا متبادل صورت اختیار کریں گے۔ اس مقصد کے لئے ان کی اہلیہ صہبا مشرف ۲۹ صندوقوں کے ساتھ دو ماہ قبل امریکہ جانے کے بعد وطن واپس بھی آچکی ہیں، گویا اس طرح اُنہوں نے اپنے آقاے ولی نعمت کے ہاں اپنے تحفظ کے راستے بھی بنالئے ہیں۔ پاکستان کے اندر بھی صدر مشرف کو ہر طرف سے شدید دباؤ کا سامنا ہے:

- صدر مشرف کو جامعہ حفصہ کے حادثہ کے بعد شدید عوامی اور ابلاغی ردعمل کا سامنا ہے، ایوانِ صدر کو وہ مرکز سمجھا جارہا ہے جہاں سے غازی برادران سے مفاہمت کے بعد اس ہلاکت خیز جارحیت کے احکامات صادر ہوئے۔ جامعہ حفصہ پر ہونے والے ظلم کی تردید میں پوری قوم یک زبان ہے۔ علاوہ ازیں مدارس ومساجد کے خلاف کئی انضباطی اقدامات، ذرائع آمدن کو بند کرنے کی کوششوں اور بعض مدارس کو تنبیہی نوٹس جاری کرنے نے بھی جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔ مدارس کے خلاف ان اقدامات پر تنقید کرتے ہوئے قاضی حسین احمد نے اسے 'سول وار' کی طرف ایک اہم قدم قرار دیا ہے۔ (نوائے وقت: ۳۱ جولائی) اس سے دین دار طبقے میں شدید ردعمل پیدا ہورہا ہے جو مساجد کے ذریعے اسلام دوستعوام تک پھیلتا جارہا ہے۔ یہ ملک کے اکثریتی طبقے کا عوامی دباؤ ہے!
- عدالتِ عظمیٰ کا فیصلہ حکومت کے لئے غیر متوقع تھا، اس کے بعد حکومت کے لئے من مرضی کے امکانات محدود تر ہوگئے ہیں۔ یہ جدید تعلیم یافتہ اور سول سوسائٹی کے علم بردار کہلانے والوں کا دباؤ ہے جس کی پشت پر ملک کے سب سے اہم ستون عدلیہ کی قوت موجود ہے۔ اس کی قیادت وکلا کررہے ہیں جنہوں نے چیف جسٹس کی بحالی کو کامیابی کا پہلا زینہ قرار دیتے ہوئے اپنی جدوجہد کو منطقی انجام تک پہنچانے کا عزم تسلسل سے دہرایا ہے۔ سپریم کورٹ بار کے صدر منیر ملک نے کہا ہے:

''وکلا امریکی ایما پر آمریت کے ہاتھ مضبوط کرنے والوں کے ہاتھ توڑ دیں، بعض سیاسی جماعتیں امریکہ کے کہنے پر ڈیل کررہی ہیں، عوام اُنہیں قبول نہیں کریں گے۔ امریکہ بعض سیاسی جماعتوں کے ذریعے مشرف کو لائف لائن دینے کی کوشش کررہا ہے۔''

(روزنامہ ایکسپریس: ۳۱ جولائی ۲۰۰۷ء، صفحہ اوّل)

یوں نظر آتا ہے کہ قاضی حسین احمد کی صدر مشرف کے دو عہدوں پر براجمان رہنے کے خلاف آئینی درخواست اس سمت میں عدلیہ کی جدوجہد کو ایک بامقصد رخ دینے کا کردار ادا کرے

www.KitaboSunnat.com

گی۔ چنانچہ جسٹس رانا بھگوان داس نے ۳۰ جولائی کو اس آئینی درخواست پر اپیل کی مناسب وقت پر کھلی سماعت کے احکامات صادر کردیے ہیں۔ یاد رہے کہ اسی درخواست کو قبل ازیں سپریم کورٹ کے رجسٹرار نے بعض اعتراضات لگا کر مسترد کردیا تھا۔ (نوائے وقت: ۳۱ جولائی)

یہ آئینی درخواست عدلیہ کی آزاد حیثیت اور مبنی بر قانون فیصلے کا ایک امتحان ہے!

◉ تیسری طرف سیاسی جماعتوں نے ۸ اور ۹ جولائی کو لندن میں آل پارٹیز کانفرنس کے بعد 'اے پی ڈی ایم' کی شکل میں اپنے آپ کو منظم کرلیا ہے۔ اور ان میں کافی اُمور مثلاً ایم کیو ایم کی حمایت سے دستبرداری اور استعفوں کا دباؤ استعمال کرنے وغیرہ پر اتفاقِ رائے سامنے آیا ہے جس کے بعد مناسب موقع پر سیاسی جماعتیں بھی اپنے اپنے کارڈز استعمال کرنے کیلئے مختلف مراحل سے گزر رہی ہیں۔ یہ سیاسی جماعتوں اور کارکنان کا دباؤ ہے۔

◉ ملک امن وامان کی بدترین صورتحال سے گزر رہا ہے، قومی یکجہتی کا تصور سرے سے معدوم ہے۔ حکومت، قانون نافذ کرنے والے ادارے، مساجد اور عوام آپس میں برسرپیکار ہیں۔ دہشت گردی کی صورتحال بدترین ہے، عوام بم دھماکوں کے رحم وکرم پر اور فوج / پولیس ملک بھر بشمول قبائلی علاقوں میں اپنی لاشیں اُٹھا کر حوصلے چھوڑتی جارہی ہے۔

◉ پشاور میں گورنر سرحد کے زیر سرپرستی ہونے والا گرینڈ قبائلی جرگہ ناکام ہوچکا ہے، حال ہی میں عبداللہ محسود کی بامعنی 'شہادت' نے مفاہمت اور مذاکرات کی کوششوں کو مزید متاثر کیا ہے۔ دوسری طرف پاکستانی فوج نے بھی ان علاقوں میں اپنی کاروائیوں میں اضافہ کردیا ہے۔ گذشتہ دو ہفتوں میں دوطرفہ کاروائیوں اور ہلاکتوں میں کافی تیزی آچکی ہے۔ بعض اہم شخصیات نے ان علاقوں میں فوج کو اُلجھانے سے روک کر امن وامان کی ضمانت کی حامی بھری ہے لیکن اس کے باوجود پاکستان، امریکہ اور نیٹو افواج میں مفاہمت ومذاکرات جاری ہیں، دوسری طرف تینوں قوتوں کے متوقع آپریشن کی فاٹا گرینڈ الائنس نے بھرپور مذمت کی ہے۔

◉ ہمسایہ ملک افغانستان کی حکومت امریکہ کی تمام تر سرپرستی کے باوجود حالات کو کنٹرول کرنے میں بری طرح ناکام رہی ہے، اس کا اقتدار کابل کے گرد ونواح تک ہی محدود ہوچکا ہے اور وہ اپنی تمام ناکامیوں کا ذمہ دار پاکستان کو قرار دے رہی ہے۔ دوسرا ہمسایہ ملک چین جو ہمیشہ سے پاکستان کا مضبوط اتحادی رہا ہے، اس سے بھی پاکستان کے

www.KitaboSunnat.com

تعلقات کافی متاثر ہیں اور لگاتار چینی ماہرین پر حملوں سے پاک چین تعلقات میں گہری دراڑیں پڑ رہی ہیں۔

اس لحاظ سے پاکستان ان دنوں شدید عوامی، قانونی، نظریاتی، علاقائی اور بین الاقوامی مسائل کا شکار ہے، ملک کے تمام اداروں اور طبقہ ہائے زندگی میں ان پریشان کن حالات کا ذمہ دار فردِ واحد کی حکمرانی کو قرار دیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف صدر مشرف بہر صورت اپنے اقتدار کو طول دینے پر مصر ہیں اور الیکشن سے قبل (۱۵ستمبر تا ۱۶/اکتوبر کے دوران) اپنے صدارتی انتخاب کو یقینی بنا کر اپنے زیر نگرانی الیکشن کروانے کے لئے ہر ممکنہ سیاسی جوڑ توڑ کر رہے ہیں۔

ان مشکل حالات میں امریکہ کا پاکستان کو کھلم کھلا جارحیت کی دھمکی دینا واضح طور پر اس رویہ کا غماز ہے کہ امریکی انتظامیہ ماضی کی طرح اپنے پیشہ وارانہ اہداف کے حصول پر ہی اپنی توجہ مرتکز رکھتی ہے اور ہر دم زیادہ سے زیادہ مفادات سمیٹنے کے لئے موقع کی تلاش میں رہتی ہے۔ امریکہ کا موجودہ حالات میں پاکستان کی سلامتی اور داخلی خودمختاری کو کھلم کھلا چیلنج کرنا دو دھاری تلوار ہے جس سے بیک وقت کئی مقاصد حاصل کئے جا رہے ہیں:

① **صدر مشرف کا دوام اور تسلسل:** امریکی مقاصد کی تکمیل کے لئے پاکستان میں صدر مشرف کا برسر اقتدار رہنا ضروری ہے، یہ امریکہ کی علاقائی ضرورت بھی ہے کیونکہ امریکہ افغانستان سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں اور پاکستان کی مدد کے بغیر امریکہ کے لئے افغانستان میں اپنے ہر لحظہ کمزور پڑتے تسلط کو برقرار رکھنا ممکن نہیں۔ موجودہ حالات میں صدر مشرف کے ماسوا کسی اور حکومت پر امریکی حکومت اپنے مفادات کے سلسلے میں اعتماد نہیں کر سکتی جیسا کہ صدر نے جامعہ حفصہ پر ایک سنگین جارحانہ کاروائی کے احکام دے کر اپنے دوٹوک رجحانات کا تعین کرنے کے علاوہ دنیا کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ مزعومہ مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے کس حد تک جا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا و دیگر ممالک نے بڑے واضح الفاظ میں صدر مشرف کے اس اقدام کی تحسین کی ہے۔ چنانچہ امریکی ذمہ داران کا کہنا ہے کہ وہ صدر مشرف کی حد تک پوری طرح مطمئن ہیں، البتہ پاکستان کی انتظامیہ اور دیگر حکومتی اداروں کے بارے میں وہ تاحال مخمصے کا شکار ہیں۔

مئی میں پاکستان کا دورہ کرنے والے جان ڈی نیگرو پونٹے (امریکی نائب وزیر خارجہ وسابق ڈائریکٹر امریکی انٹیلی جنس) نے دی نیشن کو بتایا کہ ۳ اہم امریکی عہدیداروں کے حالیہ دورے کا

www.KitaboSunnat.com

مقصد آئندہ سیاسی ڈھانچے کی تشکیل ہے جس کو انتہا پسند عناصر سے پاک رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے۔ مشرف آج بھی امریکہ کا بہترین آپشن ہیں۔ امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس نے پاکستان کے وزیر خارجہ قصوری کو کہا کہ صدر مشرف ہمارے بہترین اتحادی ہیں، جن کی کوششوں سے پاکستان شدت پسندی کے خاتمے اور اصلاحات میں بہت آگے نکل چکا ہے۔

صدر مشرف کے متبادل کے طور پر بے نظیر بھٹو بھی سرگرم ہیں۔ دونوں بڑھ چڑھ کر عالمی قوتوں کا منظورِ نظر بننے کی جستجو میں ہیں۔ دونوں کی مشترکہ حکومت کے بعض فارمولے بھی سامنے آرہے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہ ملک میں اقتدار بے نظیر حکومت کے سپرد کرکے قومی سلامتی اور دفاعی اُمور میں مشرف کے ساتھیوں کو موقع دیا جائے اور اس طرح امریکہ کا حمایت اقتدار عالمی مفادات پورے کرنے کے لئے پاکستان کے سر پر ہی مسلط رہے۔ تاہم بے نظیر نے وردی میں ان کو صدر قبول کرنے سے انکار کیا ہے، اور ان کی صدارت اُنہیں اسی صورت میں قبول ہے جب وہ آرمی چیف کا عہدہ چھوڑ دیں☆۔ (نوائے وقت: ۳۱ جولائی)

☆ بے نظیر کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ انتخابات سے قبل ڈیل طے کی جائے جبکہ حکومت اسے انتخابات کے بعد طے کرنا چاہتی ہے۔ بے نظیر کے تیور اور ارادے ان کے برلن میں دیے گئے بیان سے صاف جھلکتے ہیں جس میں اُنہوں نے یہ قرار دیا ہے کہ ''پاکستان کے 'انتہا پسند' صدر مشرف کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی سازش کررہے ہیں، اُنہوں نے شہروں میں قائم اپنے مدارس کو عسکری مراکز میں تبدیل کردیا ہے۔ پاکستان میں اسلامی دہشت گردوں کے انقلاب کا خطرہ بڑھ گیا ہے، لال مسجد کا واقعہ تو اس کی محض ابتدا ہے۔'' اس پیغام میں حقائق کا مسخ کرنا اور اس کو ذومعنی رخ دینا قابل دید ہے، ساتھ ہی ان کا یہ بھی موقف ہے کہ انہی اسمبلیوں سے صدر کے انتخاب کی صورت میں وہ سپریم کورٹ سے رجوع کریں گی۔ گویا ان کی نظر میں صدر مشرف کا اقتدار بے نظیر سے قبل از انتخاب مفاہمت اور بلاوردی صدارت کی صورت میں ہی قابل قبول ہے، کوئی اور صورت اُنہیں قبول نہیں۔ یہاں یہ امر بھی خارج از امکان نہیں کہ مشرف اور بے نظیر میں مفاہمت طے پا چکی ہو، البتہ انتخابات میں ق لیگ کے ذریعے مشرف کے حمایت یافتہ اور پیپلز پارٹی کے ذریعے مشرف کے مخالف ووٹ حاصل کرکے بعد از انتخاب حکومتی اشتراک کو روبہ عمل لایا جائے اور ان اخباری بیانات کی حیثیت عوام کو دھوکہ دینے سے زیادہ نہ ہو۔

البتہ دوسری طرف شریف برادران سے کوئی مفاہمت فی الوقت خارج از امکان ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے خلاف ۲۵ جولائی کو ۱۹۹۷ء میں درج بغاوت کیس کو دوبارہ زندہ کرنے کے احکامات جاری کردیے گئے ہیں، علاوہ ازیں ۳۰ جولائی کو ایوانِ صدر نے سعودی عرب اور امارات میں شریف برادران سے کسی بھی ملاقات اور ڈیل کی پرزور تردید کرتے ہوئے بے نظیر سے رابطہ کی باضابطہ طور پر تصدیق کی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

② **امریکی حکومت کا داخلی مفاد:** پاکستان میں جس جارحیت کا امریکی حکومت نے واضح طور پر اشارہ دیا ہے، اس کا ایک مقصد بش انتظامیہ کا داخلی مفاد بھی ہے، کیونکہ ان کی حکومت غیر مقبولیت کی آخری حدوں کو چھو رہی ہے اور مستقبل قریب میں ہونے والے امریکی انتخاب میں اُنہیں امریکی عوام کے سامنے کوئی ایسا کارنامہ پیش کرنا ہوگا جس سے ری پبلکن کا اقتدار میں معقول حصہ برقرار رہ سکے۔ یا کم از کم قوم کو جنگی مسائل میں مشغول کرکے اُنہیں بیرونِ ملک اَہداف پر مجتمع کیا جاسکے۔

بش انتظامیہ کو اپنی ساکھ بحال کرنے کے لئے اُسامہ بن لادن کا ہوا دوبارہ کھڑا کرنے اور امریکی قوم کی حمایت حاصل کرنے کے لئے کسی بھی اِقدام کی ضرورت پڑی تو بش حکومت اس سے قطعاً دریغ نہیں کرے گی۔ امریکی حکومت کی اسی داخلی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ۲۷ جولائی کے اخبارات میں پاکستانی وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری کا یہ بیان شائع ہوا ہے کہ

''امریکی انتخابات پاکستان کی قیمت پر نہیں لڑے جانے چاہئیں۔ اگلے سال ہونے والے امریکی انتخابات میں پاکستان کو قربانی کا بکرا نہیں بنانا چاہئے۔'' (نوائے وقت)

۲۸ جولائی کو سینٹ کے اجلاس کے دوران اس موضوع پر مختلف ممبران نے اپنے شدید ردّ عمل کا اظہار کیا جہاں سابق سیکرٹری خارجہ ریاض کھوکھر نے کہا کہ

''افغانستان اور عراق میں امریکہ فیل ہو چکا ہے، اگلے سال امریکہ میں ہونے والے صدارتی انتخابات میں کامیابی کے لئے پاکستان کو قربانی کا بکرا بنایا جارہا ہے۔ امریکہ اس وقت پاکستان میں دہشت گردوں کو استعمال کررہا ہے۔'' (ایکسپریس: ۲۹ر جولائی)

③ **پاکستان میں اپنے مفادات کا حصول:** چونکہ صدر مشرف ان دنوں کمزور ترین سیاسی حیثیت میں ہیں، اس لئے ان کے پاس اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے ہر ممکنہ حد تک امریکہ پر انحصار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ صدر کی اس کمزور حیثیت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے امریکہ نے فوری طور پر وزیرستان میں کاروائی کا اشارہ دے دیا ہے جس کا ردّعمل یہ ہوا ہے کہ پاکستانی حکومت نے جہاں ڈھکے چھپے الفاظ میں اس پر احتجاج کا اظہار کیا ہے، وہاں پر ایک ذو معنی آمادگی بھی موجود ہے۔ چنانچہ حکومتی مشیر سید مشاہد حسین کا بیان شائع ہوا ہے کہ

''ہم شمالی علاقہ جات میں امریکہ کے اکیلے اقدام کی حمایت نہیں کرتے۔''

مزید برآں اخبارات میں امریکہ اور پاکستانی وزیر خارجہ کا یہ بیان بھی شائع ہوا ہے:

www.KitaboSunnat.com

''وائٹ ہاؤس کے ترجمان ٹونی سنو نے کہا کہ امریکہ کو پاکستان کے قبائلی علاقوں پر حملوں کا حق حاصل ہے۔ وزیرخارجہ قصوری نے کہا کہ اگر امریکہ کے پاس اطلاعات ہیں تو ہمیں بتائے، ہم خود کاروائی کریں گے۔ جس کے جواب میں امریکہ نے کہا کہ القاعدہ کی قیادت قبائلی علاقوں میں ہے۔ ہم اسامہ، ظواہری اور القاعدہ سے نمٹنے کے لئے اپنے آلات کسی کو فراہم نہیں کرسکتے۔'' (ایکسپریس: ۲۵ جولائی، صفحہ اوّل)

یہ بیان صاف اس حکومتی خواہش کی غمازی کررہا ہے کہ اگر امریکہ یہ اقدام کرنا ہی چاہتا ہے تو اسے اس مقصد کے لئے اپنے ساتھیوں پر اعتماد کرنا چاہئے اور ان کے اشتراک سے قبائلی علاقوں پر کاروائی کرنی چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں پاکستانی فوج کو اس آپریشن میں اپنے ساتھ لینا چاہئے تاکہ نہ تو قومی خودمختاری کا مسئلہ آڑے آئے اور نہ ہی موجودہ پاکستانی حکومت امریکی سرپرستی سے محروم ہوکر رہ جائے۔

واضح رہے کہ افغانستان کی شمالی سرحد جو ایران سے ملتی ہے، پر بھی طالبان کی کافی قوت موجود ہے لیکن اس کے باوجود افغانستان کی صرف جنوبی سرحد پر ہی سارا زور دینا اور قبائلی علاقہ جات کو اپنی دلچسپیوں اور جارحیتوں کا مرکز بنانا مستقبل میں اس امریکی سازش کا آئینہ دار ہے جس میں بھارت کے لئے کشمیر کی طرح، پاکستان کے لئے ان علاقوں کو ایک مستقل دردِ سر بنانے کی مکروہ منصوبہ بندی کارفرما ہے۔ اس سے پاکستان کو اپنے اندرونی مسائل میں ہی اُلجھا کر ہمسایہ ملک بھارت کو آزادی سے علاقائی تھانیدار کا کردار ادا کرنے کے قابل بنانا بھی پیش نظر ہے جس کے لئے امریکہ نے بھارت سے جوہری ہتھیاروں سمیت زندگی کے ہر پہلو پر تعاون میں کافی اضافہ کردیا ہے۔

یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ امریکہ کے یہ تقاضے یہاں تک ہی محدود نہیں رہیں گے بلکہ ماضی کی طرح ہر آن اُن میں اضافہ (Do more) ہی ہوتا رہے گا۔ جیسا کہ باخبر لوگوں کا کہنا ہے کہ لال مسجد کا سانحہ مئی میں تین امریکی عہدیداروں (رچرڈ باؤچر، ولیم فالن اور نیگروپونٹے) کی آمد اور مذاکرات کا نتیجہ ہے جب اُنہوں نے مشرف حکومت کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے انہیں مزید کچھ کر دکھانے کی تلقین کی اور اس سانحہ کے بعد اب مزید مطالبہ داغ دیا۔

④ **مشرف کے اقتدار کے خاتمے پر امریکی جارحیت کی دھمکی:** امریکی بیان کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ امریکہ کو پاکستان میں مشرف کی زیرنگرانی سیکولر حکومت ہی گوارا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اس دھمکی کا منشا یہ ہے کہ اگر پاکستان اپنی سلامتی چاہتا ہے تو اسے اپنے قومی، سیاسی اور عدالتی رجحانات کو اس رخ پر موڑنا چاہئے جہاں پاکستان کے اقدامات امریکی مفادات سے ہم آہنگ ہوجائیں۔ بصورتِ دیگر ایک سنگین الزام کی شکل میں پاکستان پر جارحیت کی پیش بندی پہلے سے کی جاچکی ہے۔ یہ انتظام بطورِ خاص مشرف کی شدید کمزوری اور نظریاتی جنگ کے فیصلہ کن مرحلے، بالخصوص قومی انتخاب کے مرحلے پر کیا جارہا ہے کہ اگر پاکستان میں اسلام یا پاکستان پسند قوتیں اقتدار میں فیصلہ کن حیثیت حاصل کرلیتی ہیں تو امریکی حکومت کی جارحیت کا تحفہ ختم ہونے والی حکومت کی طرف سے اُنہیں وراثت میں حاصل ہوگا۔ پاکستان میں مداخلت اور قبائلی علاقوں پر حملوں کے جواز کے لئے امریکہ میں دہشت گردی کا کوئی فرضی واقعہ رو بہ عمل لانا امریکی حکومت کے لئے کوئی گھاٹے کا سودا نہیں لیکن اس سے پہلے پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کو حکومتِ پاکستان کے تصرف سے خارج کرنے کی بھرپور کوشش ہوگی۔

چنانچہ اپنے اعزاز کے تحفظ کی طرف بھی قوم کے ہمدردوں کو پوری توجہ دینا ہوگی۔ اس پیش بندی کا اندازہ ۲۹ جولائی کی اس خبر سے بھی ہوتا ہے جس میں پاکستان کو ملنے والی امداد کو اس امر سے فوری طور پر مشروط کردیا گیا ہے کہ

''امریکی سینٹ نے یکم اکتوبر کو ملنے والی ۷۰ کروڑ ڈالر کی امریکی امداد کو اس امر سے مشروط کردیا کہ جب تک صدر اس امر کی تصدیق نہیں کردیتے کہ پاکستان دہشت گردوں کے ٹھکانے اور ان کی حمایت ختم کرنے کے واضح اقدامات کررہا ہے۔ بصورتِ دیگر یہ فوجی امداد اور آئندہ سال متوقع ملنے والے ۸۰ کروڑ ڈالر کی امداد بھی بند ہوسکتی ہے۔ اس بل کی حمایت میں ۸ کے مقابلے میں ۸۵ ممبرانِ سینٹ نے ووٹ ڈال کر منظوری کیلئے صدر کو پیش کردیا۔''

موجودہ پریشان کن حالات میں پاکستان کو مزعومہ دہشت گردی کے خلاف اپنے بظاہر قریبی دوست سے ایسے رویے کا سامنا ہے جو مشکل صورتحال میں اپنے پیشہ وارانہ اہداف کو ہی مدنظر رکھ کر مزید سے مزید کا مطالبہ داغ دیتا ہے۔ امریکہ نے جامعہ حفصہ کے واقعے، عدالتی فیصلے اور چین سے دوری کے سنگین مسائل میں صدر مشرف کی غیر مقبولیت کو بھانپتے ہوئے قریبی انتخاب میں ان کے تسلسل کے لئے نہ صرف اپنا تمام وزن ان کے پلڑے میں ڈال دیا ہے بلکہ ان سے اس عنایت کا نقد حقِ خدمت وصول کرنے کے لئے بھی ایک دوٹوک تقاضا پیش کردیا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

ظاہر بات ہے کہ سابقہ چند سالوں کی طرح اپنے قبائلی علاقہ جات میں کسی قسم کی جارحیت کرنا جہاں قومی مفادات کے شدید منافی ہوگا، وہاں ملک کے اندر اس سے نظریاتی کشیدگی میں بھی مزید اضافہ ہوگا۔ وطن کو کمزور کرنے کی لگاتار کوششیں، قوم کو مزید تقسیم کرنے اور باہم صف آرا کرنے کا تمام تر نقصان پاکستان اور اہل پاکستان کو ہی پہنچے گا۔ قومی وحدت اور ملکی سالمیت کے ساتھ داخلی امن وامان کو داؤ پر لگا کر کوئی قوم کبھی ترقی نہیں کرسکتی۔ البتہ ان تمام اقدامات سے اگر شخصی طور پر کسی کو فائدہ پہنچتا ہے یا عالمی طاقتوں کے مذموم اَہداف پورے ہوتے ہیں تو اس کے لئے پاکستانی عوام کو کیوں قربانی کا بکرا بنایا جارہا ہے؟

پاکستان کا سیاسی منظر نامہ، ق لیگ اور پیپلز پارٹی سے مشرف کے جوڑ توڑ کی تفصیلات اخبارات میں چھپ رہی ہیں اور یہی نظر آتا ہے کہ ان حالات میں ق لیگ کے سوا باوردی صدر کسی کو بھی قبول نہیں۔ ملک کے کسی حلقے میں ان کے بارے میں کوئی حمایت نہیں پائی جاتی، البتہ اس مشکل مرحلہ پر ان کا واحد حمایتی امریکہ ہے جو اپنی حمایت کی نقد قیمت وصول کرکے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ہی پرویز مشرف کے اقتدار کو طول دے رہا ہے۔

اس صورتِ حال میں فیصلہ قوم اور اہل فکر ودانش کو کرنا ہے کہ اُنہوں نے مستقبل میں پاکستان میں نظریاتی تصادم اور داخلی کشمکش کو مزید ہوا دینے والے حکمرانوں کو موقع دینا ہے، یا اپنی عقل وبصیرت کو کام میں لاکر محبّ وطن اور اسلام پسند عناصر کی حمایت کرنا ہے۔ قوم کو منظّم کرنا مختلف سیاسی، دینی اور معاشرتی رہنماؤں کا کام ہے، تب ہی بظاہر نظر آنے والے متوقع مکروہ مستقبل سے چھٹکارا پایا جاسکتا ہے۔ پاکستان عالمی قوتوں کی سرپرستی میں سیکولر قوتوں کے اشتراک سے جبر وتشدد کی طرف بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے جس پر باخبر صحافی حامد میر نے 'لبرل فاشزم' کے نام سے ۳۰ جولائی کے روزنامہ جنگ میں مستقل کالم لکھ کر قوم کو توجہ دلائی ہے۔ یہ وقت باخبر ومتوجہ ہونے اور مثبت سمت میں اپنی صلاحیتیں کھپانے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شعور اور فراست کے ساتھ اپنے فیصلے کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

www.KitaboSunnat.com

حقائق وواقائع

حامد میر، شاہد مسعود، عرفان صدیقی

سانحہ لال مسجد؛ تین معتبر صحافیوں کی نظر میں

❶ حامد میر 'قلم کمان'

مولانا محمد عبداللہ مرحوم اپنے چھوٹے صاحب زادے عبدالرشید غازی سے اکثر شاکی رہتے تھے۔ مولانا صاحب مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے سربراہ تھے اور ملک بھر کے علما میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے دونوں بیٹوں عبدالعزیز اور عبدالرشید کو بھی عالم دین بنانے کا فیصلہ کیا۔ عبدالعزیز نے انتہائی رضا و رغبت سے دینی تعلیم حاصل کی، لیکن عبدالرشید کو تاریخ پڑھنے کا شوق تھا، والد کو ناراض کرکے اُنہوں نے قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے تاریخ میں ایم اے کیا۔

والد ان کی شادی خاندان میں کرنا چاہتے تھے لیکن عبدالرشید غازی نے بڑی منت سماجت کرکے اُنہیں اسلام آباد کی ایک ماڈریٹ فیملی میں شادی کے لئے راضی کیا۔ مولانا عبداللہ کے خاندان کی عورتیں گھر سے باہر نہ نکلتی تھیں لیکن عبدالرشید غازی کی اہلیہ اپنی سوزوکی آلٹو میں گھر سے نکلتیں تو اُنہیں گاڑی چلاتا دیکھ کر کچھ لوگ انگلیاں اُٹھایا کرتے لیکن عبدالرشید غازی کو کسی کی پروا نہ تھی۔

ان کی جدت پسندی کا یہ مطلب قطعاً نہ تھا کہ وہ اسلامی تعلیمات سے دور تھے۔ وہ زمانۂ طالب علمی سے ایک باریش نوجوان تھے لیکن ہمیشہ یہ کہتے کہ اسلام صرف داڑھی اور ڈھیلا ڈھالا لباس نہیں ہے بلکہ اسلام ہمارے اندر بھی ہونا چاہئے۔

۱۹۹۸ء میں مولانا محمد عبداللہ نے مولانا ظہور احمد علوی، قاری سعید الرحمٰن اور کچھ دیگر علما کے ہمراہ افغانستان کا دورہ کیا۔ مولانا صاحب اپنے باغی صاحبزادے عبدالرشید غازی کو بطورِ خاص ساتھ لے گئے۔ اس وفد کی قندھار میں ملا عمر اور اُسامہ بن لادن کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ عبدالرشید غازی نے اُسامہ بن لادن سے علیحدگی میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی لہٰذا اُن کی ایک گھنٹہ تک علیحدہ ملاقات ہوئی۔ عبدالرشید غازی اپنے والد کی طرح عربی میں رواں نہ تھے لہٰذا اُنہوں نے اُسامہ بن لادن سے انگریزی میں گفتگو کی۔ آخر میں عبدالرشید غازی نے اسامہ بن لادن کے ساتھ پڑا گلاس اُٹھایا اور ان کا استعمال شدہ پانی پی لیا۔ اُسامہ نے حیرانگی ظاہر کی تو غازی نے جواب میں کہا میں نے آپ کا پانی اس لئے پیا تاکہ اللہ مجھے بھی مجاہد بنائے۔

قندھار سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد مولانا محمد عبداللہ کو لال مسجد کے احاطے میں ایک نامعلوم شخص نے گولی مار کر شہید کردیا۔ والد کی شہادت نے عبدالرشید غازی کو تبدیل کردیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ وفاقی وزارتِ تعلیم میں ملازمت کرتے تھے اور مسجد و مدرسے سے ان کا زیادہ تعلق نہ تھا۔ عبدالرشید غازی اپنے والد کے قاتلوں کے پیچھے پڑ گئے اور آخر کار ایک شخص گرفتار ہوگیا۔ اس شخص کو موقع واردات کے تمام عینی شاہدوں نے شناخت کرلیا لیکن پولیس نے پراسرار طور پر اُسے چھوڑ دیا۔ والد کا قاتل پولیس کے ہاتھوں نکلنے کے بعد عبدالرشید

www.KitaboSunnat.com

کے اندر ایک طوفان نے جنم لیا۔ اُنہوں نے دینی علوم کا مطالعہ شروع کیا اور چند سالوں میں لال مسجد کے نائب خطیب بن گئے۔

جنوری ۲۰۰۷ء میں اسلام آباد میں سات مساجد کو شہید کیا گیا تو لال مسجد سے ملحقہ مدرسہ حفصہؓ کی طالبات نے ایک قریبی سرکاری لائبریری پر قبضہ کرلیا۔ لائبریری پر قبضہ مولانا عبدالعزیز اور ان کا اہلیہ اُمّ حسان کا تھا۔ عبدالرشید غازی اس فیصلے کے خلاف تھے لیکن اُنہوں نے بڑے بھائی کے احترام میں سرعام اختلافِ رائے نہیں کیا۔ لائبریری کا قبضہ ختم کرانے کے لئے وفاقی وزیر اعجاز الحق اور وفاق المدارس نے کوششیں کیں۔ کم از کم دو مرتبہ عبدالرشید غازی لائبریری کا قبضہ ختم کرانے کے قریب پہنچ گئے لیکن ہر مرتبہ حکومت نے ایک اور مسجد کونوٹس جاری کرکے ان کوششوں پر پانی پھیر دیا۔

ایک موقع ایسا بھی آیا جب عبدالرشید غازی نے مجھے کہا کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت جان بوجھ کر یہ مسئلہ زندہ رکھنا چاہتی ہے تاکہ دینی مدارس کو بدنام کرسکے۔ طے ہوا کہ حکومت کی ہر طرح کی اشتعال انگیزی کے باوجود لائبریری کا قبضہ ختم کردیں گے۔ افسوس کہ مولانا عبدالعزیز اپنے چھوٹے بھائی کی بات نہ مانے کیونکہ اُنہیں کچھ ایسے عناصر کی حوصلہ افزائی حاصل تھی جو کچھ حکومتی اداروں کی سرپرستی میں تھے۔ مجھے وہ لمحات بھی یاد ہیں جب عبدالرشید غازی اپنے بھائی کی ہٹ دھرمی کے خلاف بغاوت پر اتر آئے لیکن ان کی والدہ آڑے آ گئیں۔ والدہ نے غازی سے کہا کہ بڑے بھائی کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا۔ والدہ کے حکم پر غازی نے سر جھکا دیا، پھر آنٹی شمیم اغوا ہوئی، پولیس اہلکار اغوا ہوئے اور چینی باشندے اغوا ہوئے۔ کس کے حکم سے اغوا ہوئے؟ یہ تو عبدالرشید غازی کو معلوم نہ ہوتا تھا لیکن میڈیا میں لال مسجد کا دفاع بڑے بھائی کا حکم تھا اور وہ اس کی تعمیل کرتے رہے۔

عبدالرشید غازی اور ان کے بھائی پر بہت سے الزامات لگے۔ اہم ترین الزام یہ تھا کہ اُنہوں نے حکومتی اداروں کی ملی بھگت سے ایک ڈرامہ رچا رکھا ہے تاکہ عوام کی توجہ عدالتی بحران سے ہٹی رہے۔ خود بے چارے غازی کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ اس الزام کو غلط کیسے ثابت کریں۔

جنوری ۲۰۰۷ء کے آخری ہفتے میں جنرل پرویز مشرف پر بھی یہ الزامات لگنے لگے کہ وہ جان بوجھ کر لال مسجد کے ذریعہ گڑبڑ پھیلا رہے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ چودھری شجاعت حسین کے لال مسجد والوں کے ساتھ مذاکرات کامیاب ہوگئے لیکن اُنہیں کہا گیا کہ آپ مذاکرات کو لمبا کریں۔ چودھری صاحب سے رہا نہ گیا اور اُنہوں نے مذاکرات کی ناکامی کی ذمہ داری حکومت پر عائد کردی۔ آخری ملاقات میں عبدالرشید غازی نے چودھری صاحب سے کہا کہ آپ مخلص انسان ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ حکومت اس مسئلے کو کچھ مزید لمبا کرے گی اور مناسب وقت پر ہمیں ختم کرکے امریکہ کے سامنے سرخرو ہوجائے گی۔ ایک دن عبدالرشید غازی نے بھی کہا کہ اگر ہم واقعی قصوروار ہیں تو کیا حکومت ہماری بجلی پانی بند نہیں کرسکتی؟ ہم پھر بھی باز نہ آئیں تو اعصاب شکن گیس پھینک کر ہم سب کو گرفتار نہیں کرسکتی؟

۷ جولائی کو چودھری شجاعت حسین نے مجھے بلایا اور کہا کہ وہ آخری مرتبہ عبدالرشید غازی کے ساتھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں لیکن جو فون نمبر ان کے پاس تھے وہ سب بند ہوچکے ہیں۔ چودھری صاحب دوبارہ رابطہ چاہتے تھے، میں نے کوشش کرکے عبدالرشید غازی سے رابطہ کیا اور اُنہیں چودھری صاحب کی خواہش سے آگاہ کیا۔ عبدالرشید غازی ہنسے اور بولے کہ چودھری صاحب معصوم ہیں، وہ نہیں جانتے کہ ہمیں مارنے کا فیصلہ ہوچکا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

میرے اصرار پر انہوں نے چودھری صاحب سے دوبارہ رابطہ کیا اور یوں پھر سے مذاکرات شروع ہوگئے۔ ان مذاکرات میں عبدالرشید غازی نے بار بار کہا کہ میرے بڑے بھائی عبدالعزیز کو دھوکے سے باہر بلا کر گرفتار کرلیا گیا اور مجھے باہر بلا کر مار دیا جائے گا، لہٰذا بہتر ہے کہ میں ذلت کی موت کی بجائے لڑتے ہوئے مارا جاؤں۔ آخر کار وہی ہوا اور عبدالرشید غازی نے ہتھیار ڈالنے کی بجائے لڑتے ہوئے جان دینے کو ترجیح دی۔

آخری رابطوں کے دوران میں نے غازی صاحب سے کہا کہ دونوں طرف مسلمان ہیں، کوئی راستہ نکالیں کہ مسلمان ایک دوسرے کا خون نہ بہائیں۔ غازی صاحب نے کہا کہ میں نے بہت کوشش کی لیکن حکومت ہمیں رسوا کرنا چاہتی ہے، یہ سارا معاملہ حکومت کا کھڑا کیا ہوا ہے، حکومت نے اس معاملے میں بہت سے سیاسی مقاصد حاصل کئے اور آخر میں ہمیں رسوا کرکے مزید کامیابی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ غازی صاحب کو یقین تھا کہ ان کی موت ہی ان کی فتح اور حکومت کی ناکامی ہوگی۔ وہ کہتے تھے کہ ہماری موت ہماری بے گناہی ثابت کرے گی اور ہمارا بدلہ اس ملک کے غیرت مند مسلمان لیں گے۔

اُنہوں نے اپنی غلطیوں سے کبھی انکار نہ کیا لیکن بار بار کہا کہ ہماری غلطی اتنی بڑی نہ تھی۔ ہم نے مساجد کی شہادت پر احتجاج کرتے ہوئے ایک لائبریری پر قبضہ کرلیا، ہم پر گولیاں اور بم برسائے جارہے ہیں جب کہ مساجد شہید کرنے والوں کو کسی نے نہیں پوچھا، غازی نے جان کی قربانی دے کر وہ داغ دھو ڈالا جو ان کے بھائی کی برقعے میں گرفتاری سے ان کے خاندان کی عزت پر لگا تھا۔

میں نے لال مسجد انتظامیہ کے اقدامات کی کبھی حمایت نہیں کی لیکن جس انداز میں لال مسجد کے خلاف طاقت استعمال کی گئی، وہ قابل مذمت ہے۔

حکومت چاہتی تو یہ مسئلہ ایک گولی چلائے بغیر بھی حل ہوسکتا تھا لیکن کچھ عناصر نے دانستہ خونریزی کا راستہ اختیار کیا۔ عبدالرشید غازی مرنے کے بعد پہلے سے زیادہ خطرناک ہوگئے ہیں۔ اسی لئے اُنہیں اسلام آباد میں ان کے والد کے پہلو میں دفن کرنے کی بجائے روجھان مزاری میں دفن کیا گیا۔ غازی کو اپنے والد کے قتل پر انصاف مل جاتا تو وہ شاید آج بھی وزارتِ تعلیم میں ایک افسر ہوتے۔ اُنہوں نے ناانصافی کے ردِعمل میں بغاوت کی۔ ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ اس دنیا کی عدالت میں نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہوگا۔

(روزنامہ جنگ: ۱۲؍جولائی ۲۰۰۷ء)

☆ ☆ ☆

❷ ڈاکٹر شاہد مسعود 'میرے مطابق'

کون تھیں؟..... کہاں چلی گئیں؟

جُرم تو صرف اتنا تھا کہ وہ معاشرے سے بدکاری کے خاتمے کا عزم لئے باہر نکلیں اور ایک قحبہ خانہ چلاتی عورت کو سبق سکھانے اپنے ساتھ لے آئیں اور دو تین روز بعد اُسے برقعہ پہنا کر..... توبہ کروا کے چھوڑ دیا..... !! پھر ایک مالش کے مرکز پر جا پہنچیں اور وہاں جسم فروشی کرتی خواتین کو اپنے ہمراہ لاکر خوب جھاڑ پلائی..... اور پھر نصیحت کے بعد روانہ کردیا۔ ڈنڈے لے کر گھومتیں مگر کسی کا سر تو نہ پھاڑا، اس وطن عزیز میں جہاں حکمرانوں اور طاقتوروں میں سے ہر دوسری شخصیت کسی لینڈ مافیا سے وابستہ ہے۔ وہ مسجد شہید ہونے کے بعد پڑوس کی ایک لائبریری پر جا دھمکیں۔ روشن خیال، خوشحال، خوش پوش دار الحکومت کی عظیم الشان کوٹھیوں کے درمیان، جن کی اکثریت رات گئے شراب و شباب کی محفلیں اپنے

www.KitaboSunnat.com

عروج پر دیکھا کرتی ہے ..... ایک کونے میں یہ معصوم، سادہ، حجاب میں ملبوس، پاکیزہ روحیں ..... تلاوتِ قرآن پاک میں مگن رہتیں۔

کون تھیں؟.....کہاں چلی گئیں؟

میں جب اُن سے ملا تو ان کے لہجے میں عجب اُکتاہٹ اور محرومیت کا احساس ہوا۔ آنکھوں میں اُداسی، معاشرے سے شکایت اور بیزاری، سونے کے کنگنوں سے محروم کلائیوں اور نیل پالش سے محروم ہاتھوں میں ڈنڈے اُس بے کسی کا اظہار تھے..... جو غریب سادہ لوح گھرانوں کی اس شریف اور باکردار بچیوں کی آنکھوں سے بھی کراہ رہی تھی۔

ان کے طرزِ عمل سے ذرا سا اختلاف کرنے کی گستاخی ہوئی تو سب اُلجھ پڑیں۔ شاہد بھائی! آپ کو کیا پتہ؟ ڈاکٹر صاحب! آپ نہیں جانتے۔ کسی آیت کا حوالہ..... کسی حدیث کی دلیل..... سب ایک ساتھ پل پڑیں۔ آپ کو پتہ ہے امریکہ میں کیا ہورہا ہے؟ یہ یہودیوں کی سازش ہے۔ ہمارے دشمنوں کی چال ہے..... صلیبی جنگ ہے وغیرہ وغیرہ۔ میں بڑی مشکل سے اُنہیں اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بعد..... چپ کروانے میں کامیاب ہو سکا۔ اُن کی نگران اُمّ حسان نے اسی دوران بتایا کہ ''یہ طالبات ایک عرصے سے یہاں آئے مرد مہمانوں سے گفتگو نہیں کرتیں لیکن آپ سے ملنے کے لئے ان کی ضد تھی۔ میں نے خاموشی مناسب تصور کرتے ہوئے اُن کی گفتگو سننے میں عافیت تصور کی۔ یہ میرے لئے ایک مختلف دنیا تھی۔ شاید یہ فیشن زدہ، جدیدیت کی دلدل میں ڈوبی ٹی شرٹ جینز میں ملبوس خوش شکل لڑکیوں کو..... ہرروز اپنے چھوٹے کمروں کے روشن دانوں سے جھانک کر..... باہر سڑکوں پر ڈرائیونگ کرتا دیکھتی ہوں۔ ممکن ہے .....قریبی بازار تک آتے جاتے ان کے کانوں تک بھی دلفریب نغموں کی تھاپ پہنچتی ہوگی۔ کچی عمروں میں یقیناً ان کی آنکھیں بھی خواب دیکھتی ہوں گی۔ ان کا دل بھی کبھی اچھے رشتوں کی آس میں دھڑکتا ہوگا۔ ان کا بھی عید پر نئے کپڑے سلوانے، ہاتھوں میں حنا سجانے اور چوڑیاں پہننے کو جی للچاتا ہوگا۔ لیکن آرزوئیں، خواہشات اور تمنائیں ناکام ہوکر منوں مٹی کے نیچے اس طرح جا چھپیں کہ پھر نہ چہرے رہے..... نہ شناخت۔ صرف آوازیں تھیں جو اَب تک میرے کانوں میں گونجتی ہیں۔

انہی میں ایک چھوٹی بچی ..... یہی کوئی آٹھ دس برس کی..... حجاب میں اس طرح ملبوس کہ چہرہ کھلا تھا ..... گفتگو سے مکمل ناواقفیت کے باوجود مسلسل ہنسے جاتی تھی کہ شاید یہی مباحثہ..... اس کی تفریح کا سبب بن گیا تھا۔ بیٹی آپ کا نام کیا ہے.....؟ میرے سوال پر پٹ سے بولی ''اسماء.....انکل'' پیچھے کھڑی اس کی بڑی بہن نے سر پر چپت لگائی۔ انکل نہیں ..... بھائی بولو! ''خدا جانے اس میں ہنسنے کی کیا بات تھی کہ چھوٹے قد کے فرشتے نے اس پر بھی قہقہہ لگا کر دہرایا 'جی بھائی جان!' آپ کیا کرتی ہیں؟ میں نے ننھی اسماء سے پوچھا۔ ''پڑھتی ہوں؟'' کیا پڑھتی ہو بیٹا؟ جواب عقب میں کھڑی بہن نے دیا: ''حفظ کررہی ہے بھائی'' اور بھی کچھ پڑھ رہی ہیں؟ میں نے پوچھا۔ ''جی ہاں! کہتی ہے بڑی ہوکر ڈاکٹر بنے گی۔ بہن نے جو کہ یہی کچھ پندرہ سولہ برس کی مکمل حجاب میں ملبوس تھی، جواب دیا'' آپ دو بہنیں ہیں؟ میں نے سوال کیا۔ ''جی ہاں بھائی!'' بڑی بہن نے اسماء کو آغوش میں لیتے ہوئے کہا۔ تین بھائی گاؤں میں ہیں..... ہم بٹہ گرام سے ہیں نا۔ کھیتی باڑی ہے ہماری۔

میں جامعہ حفصہ اور لال مسجد میں ایک پروگرام کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں موجود تھا..... طالبات اور عبدالرشید غازی صاحب سے گفتگو کے بعد میں نے بچیوں کو خدا حافظ کہہ کر غازی صاحب کے ساتھ

www.KitaboSunnat.com

اُن کے حجرے کی طرف قدم بڑھایا تو ننھی اسماء پیچھے بھاگتی ہوئی آئی۔ بھائی جان! آٹوگراف دے دیں، ہانپ رہی تھی۔ میرا نام اسماء اور باجی کا نام عائشہ ہے۔ میں نے حسبِ عادت دونوں کے لئے طویل العمری کی دعا لکھ دی۔ آگے بڑھا تو ایک اور فرمائش ہوئی۔ بھائی جان! اپنا موبائل نمبر دے دیں۔ آپ کو تنگ نہیں کروں گی۔ نہ جانے کیوں میں نے خلافِ معمول اُس بچی کو اپنا موبائل نمبر دے دیا۔ اس کی آنکھیں جیسے چمک اٹھیں..... اسی دوران غازی صاحب نے میرا ہاتھ کھینچا..... ڈاکٹر صاحب یہ تو ایسے ہی تنگ کرتی رہے گی ..... کھانا ٹھنڈا ہورہا ہے اور عبدالعزیز صاحب..... آپ کا انتظار کررہے ہیں۔'' بچی واپس بھاگ گئی اور میں مدرسے کے اندر تنگ گلیوں سے گزرتا..... عقب میں غازی صاحب کے حجرے تک جا پہنچا..... جہاں اُنہوں نے کہا کہ ''ڈاکٹر صاحب ایک زحمت، والدہ بھی آپ کو دعا دینا چاہتی ہیں.....!!'' کھانا ہم نے فرش پر دسترخوان بچھا کر کھایا اور اس دوران عبدالعزیز صاحب بھی ساتھ شامل ہوگئے..... بات چیت ہوتی رہی اور جب میں نے رخصت چاہی تو اُنہوں نے اپنی کتابوں کا ایک سیٹ عطیہ دیتے ہوئے دوبارہ آنے کا وعدہ لیا اور پھر دونوں بھائی..... جامعہ کے دروازے تک چھوڑنے، اس وعدے کے ساتھ آئے کہ میں دوبارہ جلد واپس آؤں گا۔

حقیقت یہ کہ میں دونوں علماء کا استدلال سمجھنے سے مکمل قاصر رہا۔ چند مسلح نوجوان اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے ..... مصافحہ تو کیا لیکن گفتگو سے اجتناب کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ لیکن دروازے سے باہر قدم رکھتے وہی شیطان کی خالہ اسماء اُچھل کر پھر سامنے آ گئی۔ بھائی جان! میں آپ کو فون نہیں کروں گی ..... وہ کارڈ باجی کے پاس ختم ہوجاتا ہے نا ..... ایس ایم ایس کروں گی۔ جواب دیتے رہئے گا..... پلیز بھائی جان! اس کی آنکھوں میں معصومیت اور انداز میں شرارت کا امتزاج تھا ..... اچھا بیٹا!! ضرور..... اللہ حافظ۔ جاتے جاتے پلٹ کر دیکھا تو بڑی بہن بھی روشندان سے جھانک رہی تھی کہ یہی دونوں بہنوں کی کل دنیا تھی۔

کون تھیں؟ کہاں چلی گئیں؟ جو احباب میری ذاتی زندگی تک رسائی رکھتے ہیں وہ واقف ہیں کہ میں خبروں کے جنگل میں رہتا ہوں۔ دن کا بیشتر حصہ اخبارات، جرائد اور کتابوں کے اَوراق میں دفن گزارتا ہوں۔ چنانچہ گزرے تین ماہ کے دوران بھی جہاں چیف جسٹس کا معاملہ پیچیدہ موڑ اختیار کرتا..... اُن میں الجھائے رہنے کا سبب بنا، وہیں یہ مصروفیات بھی اپنی جگہ جاری رہیں لیکن اس تمام عرصے، وقفے وقفے سے مجھے ایک گمنام نمبر سے ایس ایم ایس موصول ہوتے رہے۔ عموماً قرآن شریف کی کسی آیت کا ترجمہ یا کوئی حدیثِ مبارکہ ..... یا پھر کوئی دعا..... رومن اُردو میں ..... اور آخر میں بھیجنے والے کا نام..... ''آپ کی چھوٹی بہن: اسماء''

یہ سچ ہے کہ ابتدا میں تو مجھے یاد ہی نہیں آیا کہ بھیجنے والی شخصیت کون ہے؟ لیکن پھر ایک روز پیغام میں یہ لکھا آیا کہ'' آپ دوبارہ جامعہ کب آئیں گے؟'' تو مجھے یاد آیا کہ یہ تو وہی چھوٹی نٹ کھٹ ..... حجاب میں ملبوس بچی ہے۔ جس سے میں جواب بھیجنے کا وعدہ کرآیا تھا۔ میں نے فوراً جواب بھیجا۔ بہت جلد.....!! جواب آیا'' شکریہ بھائی جان۔

میں اپنے موبائل فون سے پیغام مٹاتا چلا گیا تھا چنانچہ چند روز قبل جب لال مسجد اور جامعہ حفصہ پر فوجی کاروائی کا اعلان ہوا تو میں نے بے تابی سے اپنے فون پر اس بچی کے بھیجے پیغامات تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن بدقسمتی سے میں سب مٹا چکا تھا۔ اُمید تھی کہ اسماء بڑی بہن کے ساتھ نکل گئی ہوگی، لیکن پھر بھی بے چینی سی تھی۔ کوئی آیت، حدیث،

www.KitaboSunnat.com

دعا بھی نہیں آ رہی تھی۔ اس تصور کے ساتھ خود کو تسلی دی کہ ان حالات میں، جب گھر والے دور گاؤں سے آ کر..... دونوں کو لے گئے ہوں گے تو افراتفری میں پیغام بھیجنے کا موقع کہاں؟

جب بھی اعلان ہوتا کہ ''آج رات کو عسکری کارروائی کا آغاز ہوجائے گا۔ فائرنگ، گولہ باری کا سلسلہ شروع، مزید طالبات نے خود کو حکام کے حوالے کردیا۔ ابھی اندر بہت سی خواتین اور بچے ہیں۔ یرغمال بنالیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ..... تو میری نظر اپنے موبائل فون پر اس خواہش کے ساتھ ..... لپک جاتی کہ کاش!! وہ پیغام صرف ایک بار پھر آجائے..... میں نے جسے کبھی محفوظ نہ کیا۔ کون تھیں؟ کہاں چلی گئیں؟

۸ جولائی کی شب اچانک ایک مختصر ایس ایم ایس موصول ہوا۔ بھائی جان! کارڈ ختم ہوگیا ہے..... پلیز فون کریں۔'' میں نے اگلے لمحے رابطہ کیا تو میری چھوٹی..... پیاری اسماء زار و قطار رو رہی تھی۔ بھائی جان، ڈر لگ رہا ہے۔ گولیاں چل رہی ہیں! میں مرجاؤں گی؟ میں نے چلا کر جواب دیا۔ اپنی بہن سے بات کراؤ..... بہن نے فون سنبھال لیا، آپ دونوں فوراً باہر نکلیں..... معاملہ خراب ہورہا ہے..... کہیں تو میں کسی سے بات کرتا ہوں کہ آپ دونوں کو حفاظت سے باہر نکالیں۔..... دھماکوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ مجھے احساس ہوا کہ بڑی بہن نے اسماء کو آغوش میں چھپا رکھا ہے لیکن چھوٹی پھر بھی بلک رہی ہے ..... رو رہی ہے.....! ''بھائی وہ ہمیں کیوں ماریں گے؟؟ وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں!! وہ بھی کلمہ گو ہیں۔ اور پھر ہمارا جرم ہی کیا ہے؟ آپ تو جانتے ہیں بھائی! ہم نے تو صرف باجی شمیم کو سمجھا کر چھوڑ دیا تھا..... چینی بہنوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا..... بھائی!! یہ سب ان کی سیاست ہے۔ ہمیں ڈرا رہے ہیں۔ بہن پُراعتماد لہجے میں بولی..... دیکھیں! حالات بُرے ہیں۔ میں بتا رہا ہوں..... آپ فوراً نکل جائیں ..... خدا کے لئے۔ مجھے احساس ہوا کہ میں گویا..... اُنہیں حکم دے رہا ہوں۔

''بھائی! آپ یونہی گھبرا رہے ہیں۔ غازی صاحب بتا رہے تھے کہ یہ ہمیں جھکانا چاہ رہے ہیں..... باہر کچھ بھائی پہرہ بھی دے رہے ہیں۔ کچھ بھی نہیں ہوگا، آپ دیکھئے گا..... اب فوج آ گئی ہے۔ نا!! یہ بدمعاش پولیس والوں کو یہاں سے بھگا دے گی۔ آپ کو پتہ ہے..... فوجی تو کٹر مسلمان ہوتے ہیں..... وہ ہمیں کیوں ماریں گے..... ہم کوئی مجرم ہیں ..... کوئی ہندوستانی ہیں ..... کافر ہیں ..... کیوں ماریں گے وہ ہمیں.....!!'' بہن کا لہجہ پراعتماد تھا..... اور وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھی۔ ڈاکٹر بھائی مجھے تو ہنسی آ رہی ہے کہ آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں۔

''آپ کو تو پتہ ہے کہ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے، یہ اسماء تو یونہی زیادہ ڈر گئی ہے اور ہاں آپ کہیں ہم بہنوں کا نام نہ لیجئے گا۔'' ایجنسی والے بٹہ گرام میں ہمارے والد، والدہ اور بھائیوں کو پکڑ لیں گے۔ سب ٹھیک ہوجائے گا بھائی۔ وہ ہمیں کبھی نہیں ماریں گے۔''

میں نے دونوں کو دعاؤں کے ساتھ فون بند کیا اور نمبر محفوظ کرلیا۔ اگلے روز گزرے کئی گھنٹوں سے مذاکرات کی خبریں آ رہی تھیں اور میں حقیقتاً گزرے ایک ہفتے سے جاری اس قصے کے خاتمے کی توقع کرتا، ٹی وی پر مذاکرات کو حتمی مراحل میں داخل ہوتا دیکھ رہا تھا کہ احساس ہونے لگا کہ کہیں کوئی گڑ بڑ ہے۔ میں نے چند شخصیات کو اسلام آباد فون کرکے اپنے خدشے کا اظہار کیا کہ معاملہ بگڑنے کو ہے تو جواباً ان خدشات کو بلا جواز قرار دیا گیا لیکن وہ درست ثابت ہوئے اور علما کے وفد کی ناکامی اور چوہدری شجاعت کی پریس کانفرنس ختم ہوتے ہی وہ

www.KitaboSunnat.com

عسکری کارروائی شروع ہوگئی جس کی قوت کے بارے میں موقع پر موجود ایک سرکاری افسر کا بیان تھا۔ لگتا ہے پوری بھارتی فوج نے چھوٹے ملک بھوٹان پر چڑھائی کردی ہے۔ فائرنگ..... دھماکے..... گولہ باری ..... شیلنگ ..... جاسوسی طیارے..... گن شپ ہیلی کاپٹرز.....خدا جانے کیا کچھ!! اور پھر باقاعدہ آپریشن شروع کردینے کا اعلان۔ اس دوران عبدالرشید غازی سے بھی ایک بار ٹی وی پر گفتگو کا موقع ملا۔ اور پھر پتہ چلا کہ ان کی والدہ آخری سانسیں لے رہی ہیں۔ اور تبھی صبح صادق فون پر ایس ایم ایس موصول ہوا۔ ''پلیز کال!'' یہ اسماء تھی!!

میں نے فوراً رابطہ کیا تو دوسری طرف چیخیں ..... شور شرابہ.....لڑکیوں کی آوازیں ''ہیلو.....اسماء بیٹی! ہیلو'' خدا جانے وہاں کیا ہورہا تھا ''ہیلو بیٹی آواز سن رہی ہو'' میں پوری قوت سے چیخ رہا تھا۔ ''بات کرو، کیا ہوا ہے۔''

وہ جملہ ..... آخری سانسوں تک میری سماعتوں میں زندہ رہے گا۔ ایک بلک بلک کر روتی ہوئی بچی کی رُک رُک کر آتی آواز ''باجی مرگئی ہے۔ مرگئی ہے باجی .....'' اور فون منقطع ہوگیا۔ اسٹوڈیوز سے کال آرہی تھی کہ میں صورتِ حال پر تبصرہ کروں لیکن میں بار بار منقطع کال ملانے کی ناکام کوشش کررہا تھا۔ کچھ کہنے یا سننے کی ہمت نہ تھی۔ کسی کمانڈو جیسی طاقت، اعجاز الحق جیسی دیانت اور طارق عظیم جیسی صداقت نہ ہونے کے باعث مجھے ٹی وی پر گونجتے ہر دھماکے میں بہت سی چیخیں ..... فائرنگ کے پیچھے بہت سی آہیں اور گولہ باری کے شور میں ''بھائی جان! یہ ہمیں کیوں ماریں گے؟'' کی صدائیں سنائی دے رہی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے کمروں میں دھواں بھر گیا ہوگا اور باہر فائرنگ ہورہی ہوگی۔ بہت سی بچیاں تھیں..... فون نہیں مل رہا تھا ..... پھر عمارت میں آگ لگ گئی اور میں اسماء کو صرف اس کی لاتعداد دعاؤں کے جواب میں صرف ایک الوداعی دعا دینا چاہتا تھا..... ناکام رہا۔

فجر کی اذانیں گونجنے لگیں تو وضو کرتے ہوئے میں نے تصور کیا کہ وہ جو سیاہ لباس میں ملبوس مجھ سے خواہ مخواہ بحث کررہی تھیں، اب سفید کفن میں مزید خوبصورت لگتی ہوں گی! جیسے پریاں۔

فجبہ خانوں کے سرپرستوں کو نوید ہو کہ اب اسلام آباد پُرسکون تو ہوچکا ہے لیکن شاید اُداس بھی اور یہ سوال بہت سوں کی طرح ساری عمر میرا بھی پیچھا کرے گا کہ **وہ کون تھیں؟ کہاں چلی گئیں؟**

[دونوں مرحوم بچیوں سے وعدے کے مطابق اُن کے فرضی نام تحریر کررہا ہوں]

(روزنامہ جنگ: ۱۳ جولائی ۲۰۰۷ء)

☆ ☆ ☆

❸ عرفان صدیقی 'نقشِ خیال'

تازہ لہو کے تازہ جام

تازہ لہو کے تازہ جام پینے کے بعد 'عہدِ خون رنگ' کا چہرہ کچھ اور ہی نکھر آیا ہے۔ جوانانِ قوم کے خونِ گرم کی حدت سے اس کے رخسار تمتمانے لگے ہیں۔ بلا شبہ یہ تاریخ ساز کامیابی ہے، لال قلعہ تو نا آسودہ خواہشوں کی دھند میں کھو گیا لیکن لال مسجد کے میناروں پر کامرانی کے پرچم لہرا دیئے گئے۔ لاریب یہ ایک 'تاریخ ساز فتح' ہے، کوئی بھی سپاہ اس پر ناز کرسکتی ہے۔ یہاں ایک سو سال تک سات سمندر پار سے آئے سامراج کی حکمرانی رہی لیکن وہ بھی اپنے غلاموں پر ایسی عظیم فتح نہ پاسکا۔ شاید دنیا کی تاریخ میں ایسی کامرانی کی کوئی نظیر نہ ملے، شاید ہی کسی ریاست نے کسی تعلیمی ادارے کو اس انداز سے فتح کیا ہو۔ شاید ہی کسی حکومت نے کسی درس گاہ پر حملہ کرکے اتنے لوگوں کا خون بہایا ہو۔

www.KitaboSunnat.com

میں منگل کے دن، پاکستانی وقت کے مطابق کوئی سات بجے شام بوسٹن کے ریلوے اسٹیشن سے مانچسٹر جانے والی ٹرین پر سوار ہوا۔ بہ مشکل اپنی نشست سنبھالی تھی کہ لندن سے ایک دوست نے اطلاع دی ''مولانا عبدالرشید غازی شہید ہوگئے ہیں''۔ ایک تیز دھار خنجر میرے دل میں دور تک اُتر گیا۔ ذرا دیر بعد فون کی گھنٹی پھر بجی، اسلام آباد سے کسی نے خبر کی تصدیق کی۔ میرے اعصاب میری گرفت میں نہ رہے۔ سر آپ ہی آپ نشست سے جالگا۔ آنکھوں میں چنگاریاں سی بھر گئیں۔

میں نے ضبط کی تمام تر قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے آنسوؤں پر قابو رکھا لیکن اندر ہی اندر ایسا ساون برسا کہ میری روح تک جل تھل ہوگئی۔ تیز رفتار ٹرین فراٹے بھر رہی تھی۔ میں ٹیک لگائے شیشے سے باہر جھانک رہا تھا۔ بادلوں سے ڈھکا آسمان، سرسبز میدان، ہرے بھرے کھیت، شاداب چراگاہیں، آزادانہ گھومتے مال مویشی، کسانوں کے روایتی گھر۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور جامعہ حفصہ کے ایک چھوٹے سے کمرے میں عبدالرشید غازی میرے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہ بڑی محبت سے چائے بنا رہا تھا۔ اصرار کے ساتھ مجھے بسکٹ پیش کررہا تھا۔ مولانا عبدالعزیز مجھے اپنا نقطۂ نظر سمجھا رہے تھے۔ میں نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے غازی سے کہا: ''آپ بھی تو کچھ بولیں!'' اُس نے مسکراتے ہوئے ادب واحترام کے گندھے لہجے میں کہا تھا: ''دو بڑوں کے سامنے میں کیا بولوں؟''

مجھے دُکھ ہوا کہ میری بات نہیں مانی گئی۔ پھر میں اس قضیے سے الگ ہوگیا۔ میں نے اس پر بہت کچھ لکھنے سے بھی گریز کیا۔ میرے دل کے کسی دور دراز گوشے میں یہ خدشہ کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا تھا کہ کوئی انہونی بھائیوں کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ میں نے ملاقات والے چھوٹے سے کمرے میں خونِ شہدا کی خوشبو جیسی مہک بھی محسوس کی تھی۔ شاید عبدالرشید غازی کا خیال ہو کہ اسلام آباد کا شہرِ خوش جمال باجوڑ اور ڈمہ ڈولہ جیسی بے آب و رنگ بستیوں سے بہت مختلف ہے۔ یہاں دارالحکومت کے عین قلب شہر میں خون کی ہولی کھیلنا آسان نہیں ہوگا۔ شاید وہ بھول گیا تھا کہ سفاکی، تہذیب کے کسی قرینے کو نہیں مانتی، رعونت اپنے ضابطے خود بناتی ہے، طاقت کا نشہ، آئین و قانون کے تقاضوں سے ماورا ہوتا ہے۔ درندگی، اخلاقیات کا کوئی پیمانہ نہیں رکھتی اور فتح و کامرانی کا جنوں، انسانیت کے آداب سے بیگانہ ہوتا ہے۔ خناس، احساس سے عاری ہوتا ہے۔

مولانا عبدالعزیز کی گرفتاری کے بعد اُنہیں ایک بار پھر برقع پہنا کر پی ٹی وی نے جو ڈرامہ تخلیق کیا، اس کے تصور سے بھی گھن آتی ہے۔ اس ڈرامے کا ہدایت کار جو بھی تھا، کم از کم یہ واضح ہوگیا کہ حکمران، حکمت سے عاری ہی نہیں، ایک عالم دین کو تضحیک و توہین کا نشانہ بنا کر لطف اُٹھا رہے ہیں۔

مجھے تھوڑی دیر پہلے مولانا فضل الرحمٰن خلیل کا فون آیا، عبدالرشید غازی کی خواہش پر اُنہیں شریک مذاکرات کیا گیا تھا۔ وہ گھنٹوں معاملہ سلجھانے کے لئے کوشاں رہے۔ فضل الرحمٰن خلیل نے بتایا: ''منگل کو عبدالرشید غازی سے میری آخری بات ہوئی، وہ کہہ رہے تھے..... اس وقت میری والدہ کا سر میری گود میں رکھا ہے۔ وہ کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے آخری ہچکیاں لے رہی ہیں۔ ان کی روح پرواز کرنے کو ہے۔ مجھے بھی شہادت صاف دکھائی دے رہی ہے۔ میری وصیت ہے کہ مجھے میرے شہید والد کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ میری والدہ.....'' پھر غازی کی سسکیوں کی آواز سنائی دی اور فون بند ہوگیا۔

شہید شوہر کی شہید اہلیہ نے چند لمحوں بعد شہید ہونے والے بیٹے کے زانو پر سر رکھے رکھے آخری ہچکی لی۔ معلوم نہیں غازی کا سینہ کس وقت چھلنی ہوا۔

www.KitaboSunnat.com

معلوم نہیں آخری ہچکی لیتے ہوئے اس کا سر کس کے زانو پر دھرا تھا۔

مولانا فضل الرحمٰن خلیل مجھ سے کہہ رہے تھے ''اعجاز الحق تمہارا دوست ہے۔ خدا کے لئے اسے کہو کہ غازی کی میت ہمارے حوالے کردیں۔ یہ لوگ اسے زبردستی روجھان مزاری لے جانا چاہتے ہیں۔ اس کی بیوی، اس کی بہنیں دہائی دے رہی ہیں، شہید کی آخری وصیت تو پوری ہونے دیں۔'' میں نے اعجاز الحق کے تمام معلوم نمبروں پر رابطے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ بات ہو بھی جاتی تو وہ کیا کرلیتا؟ یہاں تو ۳۴۲ ارکان کی پارلیمنٹ اور ۸۰ وزرا کی جہازی کابینہ ہوتے ہوئے بھی فیصلے فردِ واحد کے کنجِ لب سے پھوٹ رہے ہیں۔

سرنڈر پوائنٹ بنانے، ہتھیار ڈلوانے، ہاتھ اُٹھا کر مارچ کرانے کی خواہش بیمار آسودہ ہوگئی۔ بے چہرہ بندوبست کے سیاہ کارناموں کی کتابِ سیاہ میں سب سے شرمناک باب کا اضافہ ہوگیا۔ فتح مندی کا جنوں بھپر نہ جاتا تو اس قتلِ عام کو روکا جاسکتا تھا۔ پرلے درجے کی بے حکمتی اور خودسری معاملات کو ایسے موڑ پر لے آئی جہاں تناؤ بڑھتا ہی چلا گیا۔ صدر مشرف اور ان کے رفقا ابتدا ہی سے لال مسجد والوں کو نمونۂ عبرت بنانے پر بضد تھے۔ کابینہ کے دو وزرا، ان کی خوشنودی کے لئے ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ جس کسی نے صلح صفائی کی بات کی، اسے نکو بنا دیا گیا۔ سلجھاؤ کی کوششوں کو مخلصانہ ریاستی سرپرستی حاصل ہی نہ ہوسکی۔ صدر بلوچستان کے سیلاب زدگان کو تسلی دینے گئے اور کمانڈو کی وردی پہن کر اعلان کیا: ''یہ مارے جائیں گے ..... یہ مارے جائیں گے۔'' اُنہوں نے ایسا ہی ایک اعلان نواب اکبر بگٹی کے بارے میں کیا تھا: ''یہ لوگ اس طرح مارے جائیں گے کہ اُنہیں پتہ بھی نہیں چلے گا کہ کس شے نے ہٹ کیا۔'' پھر بگٹی پہاڑ کے ایک غار میں بھسم ہوگیا۔ چودھری شجاعت نہ بگٹی کو بچا سکے نہ غازی کو۔ کوئی نواب ہو کہ مولوی، غار نشین ہو کہ حجرہ نشین، رعونت کی طاقت آزمائی کسی کو معاف نہیں کرتی۔ یہ وہی حکمتِ عملی ہے جسے ٹکا خان نے مشرقی پاکستان میں آزمایا تھا اور جو اندھی، گونگی اور بہری قوتیں اپنی رعایا سے روا رکھتی ہیں!!

کہا گیا ''غازی آئین اور قانون کا مجرم تھا، اسے کس طرح راستہ دیتے؟'' کون سا آئین اور کیسا قانون؟ جہاں آئین کے سب سے جابر اور کڑے ضابطے کو روندنے والے ریاست کے سب سے بڑے منصب کے حق دار بھی ٹھہریں، وہاں بھی کوئی آئین، کوئی قانون ہوتا ہے؟ اور پھر مولانا فضل الرحمٰن خلیل اور دیگر علما کی مساعی سے جب ایک مفاہمت طے پا گئی تھی، وزرا کی مذاکراتی ٹیم اور وزیراعظم نے اس کی توثیق کردی تھی تو صدر نے اسے کیوں ویٹو کردیا؟

مجھے فضل الرحمٰن خلیل صاحب ہی نے بتایا کہ سب کچھ طے پا گیا تھا لیکن پنڈی کیمپ آفس جانے والوں نے تین گھنٹے لگا دیئے اور پھر واپس آئے تو ان کی جیبیں بارود سے بھری ہوئی تھیں۔

ضیاء الحق کے دور میں 'الذوالفقار' نے پاکستانی طیارہ اغوا کرکے کابل پہنچا دیا۔ اغوا کاروں نے ایک سابق فوجی افسر کو قتل بھی کردیا۔ اُنہوں نے سو کے لگ بھگ دہشت گردوں کو رہا کرنے کا مطالبہ کیا جو قتل و غارت گری اور غداری جیسے سنگین مقدمات میں ملوث تھے۔ ضیاء الحق نے مسافروں کی جانیں بچانے کے لئے ان سب کو رہا کرکے، ہائی جیکرز کے مطالبے کے مطابق دمشق پہنچا دیا۔ بھارت کا طیارہ اغوا کرکے قندھار پہنچا دیا گیا۔ ہائی جیکرز نے بھارتی جیلوں میں بند کچھ ایسے قیدیوں کی رہائی کا

www.KitaboSunnat.com

مطالبہ کیا جو بھارت کے مطابق سنگین 'جرائم' میں ملوث تھے۔ آخر ہمارے حکمران سینکڑوں افراد کی جانیں بچانے کے لئے عبدالرشید غازی کو محفوظ راستہ دینے پر کیوں آمادہ نہ تھے.....؟

اس خونخواری و خونریزی سے گریز ممکن تھا۔ بجا کہ ریاست نے اپنی رِٹ قائم کرلی، درست کہ عبدالرشید غازی کے بعد پاکستان زیادہ محفوظ و مامون ہوگیا، برحق کہ فوج نے اپنی طاقت کا لوہا منوا لیا، لیکن کیا 'روشن خیالی' اسی کا نام ہے؟ کیا مہذب ریاستیں، یہی کچھ کیا کرتی ہیں؟ اگر امریکہ کو یہ پیغام دینا مقصود تھا کہ 'دہشت گردی' کا خاتمہ صرف میری قوتِ بازو ہی سے ممکن ہے اور اس قوتِ بازو کا انحصار میری وردی پر ہے تو یہ پیغام صاف اور بلند آہنگ میں پہنچ گیا۔ اس کی تصدیق بھی ہوگئی اور تائید بھی۔ داد بھی مل گئی لیکن جابروں کے قبیلے میں کوئی ہے جو بتا سکے کہ اس سے پاکستان کے سینے پر کتنا گہرا گھاؤ آیا ہے؟ کس کو خبر ہے کہ جب بوڑھی ماؤں کی لاشیں اپنے بیٹوں کی گود میں گرتی ہیں تو اللہ کا عرش بھی لرز جاتا ہے۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بپھری ہوئی رعونت اور اندھی طاقت آزمائی، نفرتوں کو ہوا دیتی اور ہر موجِ خوں وطن کی سرزمین میں ایک گہری دراڑ ڈال جاتی ہے؟

کسی دشمن سرزمین پر فاتحانہ آپریشن کے سے انداز میں لشکر کشی کی فنی جزئیات پر روشنی ڈالنے کے باوجود کوئی ترجمان یہ بتانے پر تیار نہیں کہ جامعہ حفصہ اور لال مسجد کے صحن، برآمدوں، کمروں، راہداریوں میں کتنی لاشیں بکھری پڑی ہیں؟ ان میں کتنے بچے ہیں اور کتنی خواتین؟ سب کے ماتھوں پر 'دہشت گردوں' کے لیبل سجا دیئے گئے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ کس کا خون کس کے خون میں تحلیل ہوگیا؟ کوئی نہیں جانتا کہ مقتولین کے ماں، باپ، بھائی بہن کہاں ہیں اور کس کرب کی آگ میں جل رہے ہیں؟ کوئی نہیں جانتا کہ 'آپریشن سائلنس' کی کوکھ سے کتنی قباحتیں جنم لیں گی؟

بسی اتنی خبر ہے کہ وائٹ ہاؤس نے اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ عینی شاہد کی طرح تمام تر ذمہ داری مسجد انتظامیہ پر ڈال دی ہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے اس قتل عام کی ستائش کی ہے اور لندن میں بیٹھے الطاف حسین نے اس کارنامے کو سراہا ہے۔ نائن الیون کا آسیب بھی کتنا بڑا 'دیوتا' بن گیا ہے۔

پانچ چھ دن قبل مجھے اسلام آباد سے بیگم کا فون آیا۔ وہ بتانے لگیں ''غازی صاحب کی بہن کا فون آیا ہے۔ وہ رو رہی تھی اور آپ کے بارے میں کہہ رہی تھی کہ ان سے کہیں کچھ کریں۔'' میں اس رات سو نہیں پایا تھا۔ میں پاکستان میں ہوتا بھی تو کیا کرلیتا؟ فتح و کامرانی کے پھریرے لہراتا لشکرِ بے اماں، کیڑے مکوڑوں کو خاطر میں نہیں لایا کرتا۔

شہید باپ اور شہید ماں کا شہید بیٹا، ہمارے لفظوں کی مینا کاری سے بے نیاز ہوچکا ہے۔ اللہ اس کی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ اس کی خطائیں معاف کردے۔ اس کے درجات بلند کرے اور ان سب کے بھی جو اس عہدِ خون رنگ کی خون آشامی کا لقمہ ہوگئے!

مولانا فضل الرحمٰن خلیل شاید اب تک نہیں جان پائے کہ ان کا سابقہ کن بے رحم موسموں سے آپڑا ہے۔ اپنی پسند کے نشانے تلاش کرنے، اپنی مرضی کے سینے چھلنی کرنے، اپنے دل پسند تابوتوں میں بند کرنے، اپنی پسند کی قبروں میں پھینکنے اور اپنی مرضی کے جنازے پڑھوانے والوں کے سینے میں دل نہیں ہوا کرتے!! (نوائے وقت: ۱۲؍جولائی ۲۰۰۷ء)

www.KitaboSunnat.com

LRL No. 183
Vol.39 NO.8
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

☜ عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا
اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا
فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر
دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے ——— زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700